دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماھنامہ

نقوش اسلام

VOL.No.8	اکتوبر ۲۰۱۳ء (October 2013) ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ	Issue.No 8

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا حسن مرچی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا محمد احمد صالح جی — الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت
مولانا حافظ محمد ایوب — مولانا یحییٰ بام
مولانا محمد اختر قاسمی — مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

❁ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری
❁ حافظ عبدالستار عزیزی ❁ ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA. Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood_azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ ’’نقوش اسلام‘‘ مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ ۱۵/روپے
سالانہ ۱۸۰/روپے
خصوصی ۵۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: **09719639955**

Monthly Nuqoosh-e-Islam,
A/C No. 30557882360,S.B.I

منیجر توسیع واشاعت : قاری محمد صالحین
08859806425 / 09813806392

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTED AT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

iles\A017.TI not found.
Files\A025.TIF not found.
iles\A017.TI not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
زندگی کے بعض تلخ تجربات	ابوخدیجہ ندوی	
ملفوظات		۶
حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ	مولانا محمد انوری لائل پوری	
سفرنامہ		۹
مغربی یوپی کا ایک یادگار سفر	مولانا جمال احمد ندوی، مئو	
جائزہ		۱۲
رہ گزر وقت ہے، انسان کی تو......	عزیز بلگامی، بنگلور	
دعوت دین		۱۷
امت مسلمہ اور اس کی ذمہ داریاں	ابوعبداللہ ندوی	
تحریک		۲۱
امام حسن البناء شہید اور تحریک......	مولانا نذر الحفیظ ندوی، لکھنؤ	
تجزیہ		۲۵
قربانی کا عمل حقیقت کے آئینہ میں	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
غوروفکر		۲۸
ہمارا قومی سیاسی منظرنامہ	مولانا فتح ندوی، نئی دہلی	
پیغام عمل		۳۱
ابنائے دارالعلوم دیوبند سے خطاب	حضرت مولانا سید محمد میاںؒ	
اصلاحیات		۳۹
خلافت انسان اور عداوت شیطان	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۶
نئی کتابوں پر تبصرہ	ابوامامہ ندوی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
¼ صفحہ //		۴۰۰............

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۸۰/روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

زندگی کے بعض تلخ تجربات

ابوخدیجہ ندوی

اس وقت زندگی کے جتنے بھی شعبے ہیں، کسی بھی شعبے کے آدمی سے مل لیجئے، اس کی زبان پر شکوہ وشکایات کے الفاظ ہی ملیں گے، ہرایک رونا رو رہا ہے، کوئی کہہ رہا ہے برکت نہیں، کوئی کہہ رہا ہے کہ تندرستی نہیں، کوئی کہہ رہا ہے کاروبار نہیں، غرضیکہ ہرایک کی اپنی ایک لے ہے، ہرایک کا ایک نالہ ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس کی طرف کم لوگوں کی نظر ہے، بلکہ اس کی طرف دھیان جاتا ہی نہیں، زیر نظر تحریر میں کچھ اس طرح کے مختلف پیشوں کے اہلکار کے ساتھ جو تجربات پیش آئے ہیں، وہ بلاتبصرہ لکھے جارہے ہیں، واضح رہے کہ یہ تمام اہل پیشہ مسلمان ہیں، ان کے لکھنے سے اپنی صفائی اور پاکی نہیں بیان کرنی بلکہ بتلانا یہ مقصود ہے کہ ہمارے سماج اور معاشرے میں کچھ اس طرح کی باتیں درآئی ہیں، جو صحیح نہیں، اور پھر ان کے نتائج بھی بہت برے ہیں، جن کی طرف ذہن بھی نہیں جاتا۔

کئی روز تک ایک لوہے کے کام کرنے والے مسلمان لڑکے سے اپنے یہاں فائیور لگانے کی بات کی، اس نے کہا اس ہفتہ دن میں لائٹ نہیں، آئندہ ہفتہ ضرور ہوجائے گا، جس ہفتہ میں لائٹ تھی، اس نے کہا منگل کے دن ہوجائے گا، منگل کو بھی وہ نہ آیا اور فون بھی نہ اٹھایا، پھر آئندہ کل کا وعدہ کیا، آئندہ کل کو اسنے کہا ابھی ٹائم نہیں لگ رہا ہے، دوسرے مسلم مستری سے بات چیت کی، اس کو صورت حال سے مطلع کیا، اس نے کہا کل ہوجائے گا، اس نے اسی روز کام شروع کردیا، اگلے دن کام مکمل ہونا تھا، مگر اس نے فائیور کی کٹائی اور فٹینگ صحیح نہیں کی، اس کو صحیح کرنے کے لئے کہا گیا، تو وہ بضد اس غلط کو ہی صحیح کہنے پر تُلا رہا، اس کو لاکھ مثالوں سے اور عملاً سمجھایا، مگر اس نے سمجھ کر ہی نہ دیا، اور پھر اس نے بادل ناخواستہ وہ کام بجائے ویلڈنگ کے تار باندھ کر کیا، دوسرا کام کیواڑوں میں نیچے جو سوارخ تھے، ان کو چادر سے بند کرنا تھا، ایک کیواڑ کی چادر ٹھیک تھی، دوسرے کیواڑ کے لئے چادر کے دو ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک بنادیا گیا تھا اور اس میں تقریباً ایک انچ کی کمی تھی، اس کو پہلے ہی منع کیا گیا تھا کہ یہ صحیح نہیں، دوسری لے آئیں، وہ اس کے لئے تیار نہ ہوا، اور کہنے لگا چلو اس میں مزید ایک پتی لگادی جائے، میں نے منع کیا کہ جگاڑ بازی کی ضرورت نہیں، دوسری چادر لے آئیں، وہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور سامان اٹھا کر چلنے لگا، یعنی پیسے اس کی منشاء کے مطابق پورے، بات پکی، مگر مستری کی جگاڑ بازی، اس کو غیرت دلائی، تو کچھ شرم آئی، پھر فوراً اس نے دوسری نئی چادر منگائی اور وہ لگائی، پیسے اس کی منشاء کے مطابق جو طے تھے، اس میں مزید پانچ سو روپئے زیادہ طلب کئے۔

کئی سال ہوئے ایک مستری کو مسجد کی تعمیر کا ٹھیکہ دیا، تعمیر میں اگر اس نے کوئی اینٹ آڑے ترچھی رکھ دی، یا جیسے بھی کیف ما اتفق رکھدی، اگر اس کو صحیح کرنے کے لئے کہا جاتا تو وہ فوراً بجائے صحیح کرنے کے یہ کہتا کہ اجی کیا بچالیا ہم نے اس میں، اس کو کام کے صحیح ہونے

کی فکر نہ تھی، بلکہ کیا بچنے کی فکر تھی، یہاں تک کہ وہ چھت بھی نہ ڈال سکا، اور بھاگ گیا، ایک لوہار کو مرکز کے کیواڑ بنانے کے لئے آرڈر دیا، اس نے کہا بالکل صحیح بناؤں گا، دو جوڑی کیواڑوں کی تھی، اس نے دونوں جوڑی بظاہر خوبصورت بنائی، مگر ایک جوڑی میں ایک کیواڑ موٹا بنادیا، دوسرا باریک، دوسری جوڑی میں جہاں دونوں کیواڑ مل کر بند ہوتے ہیں، وہی حصہ اس نے کیلوں سے جوڑ کر بنا دیا۔

ایک مولانا صاحب آئے بڑی ایمان ویقین کی باتیں کیں، اپنی خیرات وہمدردی، طلبہ سے محبت وتعلق اور بعض بڑے حضرات کے مرید ہونے کا تذکرہ کیا، اور پھر کچھ دنوں بعد ایک رقم کا مطالبہ کیا، جوان کی ظاہری باتوں کو دیکھ کر دیدی گئی، مگر اس کے بعد سالوں سے انہوں نے کوئی راستہ ہی نہیں دیا، فون اٹھاتے ہی نہیں، کبھی کسی دوسرے طریقے سے رابطہ کیا تو ادھر ادھر کی باتیں کر کے فون کاٹ دیا، وعدہ مہینہ دس دن کا مگر سالوں ہو گئے، کوئی شکل نہیں نکلی، اسی طرح ایک مفتی صاحب آئے، جب عیدالاضحیٰ پر جانے لگے تو کچھ رقم علی الحساب ادھار لے گئے، مگر ابھی تک پہنچائی نہیں، شاید ان کو اب خیال بھی نہ ہو، ایک صاحب ایک چیک لیکر آئے کہ آج تو بینک بند ہے، اتنے پیسے مل جائیں، ان کا چیک دیکھ کر یقین آ گیا، ان کو دیدئے گئے، دو تین سال ہو گئے ابھی تک واپس ملے نہیں۔

لڑکیوں کے مدرسہ میں بعض حضرات کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے تعلقات اور سفارشات کی بنا پر رعایت کردی جاتی ہے، اب تک جن حضرات نے سب سے زیادہ بدعنوانی اور بے اصولی کی اور تکلیف پہنچائی ہے، وہ وہی ہیں جن کے ساتھ رعایتی معاملہ کیا گیا، یا جن کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک کیا، ایک صاحب کی دو بچیاں پڑھتی تھیں، ایک کی فیس معاف تھی، ایک کی ریاتی تھی، جب ایک لڑکی فارغ ہوگئی، اور اس کو پڑھانے کے لئے کہا گیا تو جواب ملا کہ اس کے ابا نہیں مانتے، ایک دوسرے صاحب کا ایسا ہی واقعہ ہے کہ اس کی تین بچیاں پڑھتی تھیں، جب ان سے فراغت کے بعد ان کو پڑھانے کے لئے کہا تو جواب ملا کہ ان کے ماموں نہیں مانتے، ایسے ہی بعض علماء شعبہ انگریزی سے فارغ ہوئے، جن کو ہر طرح کی سہولیات دی گئیں، فراغت کے بعد ان کو پڑھانے کے لئے کہا گیا اور مدارس کے عام ماحول سے زیادہ ان کی تنخواہ رکھی گئی، تو انہوں نے کہا کہ گھر والوں کی تمنا ہے کہ ہم لوگ زیادہ کمائیں، وہ نہیں مانتے۔

طباعت وپریس کے سلسلہ میں تو بہت سنا تھا کہ ان حضرات کی طرف سے بہت تکلیف ہوتی ہے، ایک بڑے بزرگ، عالم دین، مصنف کی زبان سے بار بار سنا کہ مجھے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ تکلیف کاتبوں سے پہنچی، اس وقت اس کا تجربہ نہیں تھا مگر اب اس کا تجربہ ہو رہا ہے، آج تک یاد نہیں کہ کسی طباعت کا کام کرنے والے، کمپوز کرنے والے، کتابت کرنے والے نے وقت پر کوئی کام کیا ہو، اکثر وعدہ خلافی اور بے اصولی کرتے ہیں، ایک صاحب سے جو ایک اچھے خاندان کے ہیں، بعض دوستوں نے ان کے سلسلہ میں کہا کہ ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے، ایک بڑی رقم کا معاملہ کرنا تھا، مگر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان سے ایک کتاب چھپوانے کا معاملہ کرلیا، انہوں نے پندرہ بیس دن کا وعدہ کیا، مگر انہوں نے کام نہیں کیا، فون اٹھانا بند کردیا، کسی طریقے

سے رابطہ کیا تو آج کل کا وعدہ کرتے رہے، جن دوستوں کے ذریعہ سے تعلق ہوا تھا، ان کے ذریعہ سے رابطہ قائم کیا تو خیر ڈھائی مہینے کے بعد سو کتابیں دینے کا وعدہ کیا، جب سو کتابیں دیوبند سے لائی گئیں، تو معلوم ہوا کہ وہ غلط چھاپ دی ہے، تب ''دیر آید درست آید'' والے مقولے کو ''دیر آید غلط آید'' کرنا پڑا۔

ایک اہل تعلق عالم دین جو دین کا کام کررہے ہیں، قرآن کریم کی خدمت کررہے ہیں، ان کو نہ معلوم اندر ہی اندر کڑھن اور تکلیف سی محسوس ہوتی ہے، کوئی دوسرا اہل تعلق اگر ان کے سامنے ہمارا ذکر کردے، تو ان کے پیشانی میں بل آجاتے ہیں، یا کوئی اہل تعلق ان کے سامنے ملنا چاہتا ہے، اور بات کرنا چاہتا ہے، تو ان کو بہت گراں گزرتا ہے، ایک مرتبہ اپنے ایک رسالہ میں ان کا نام ان کی اجازت واطلاع سے لکھ دیا، جب رسالہ چھپا اور ایک ایسے مخیرؔ کے پاس پہنچا جو ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہے اور راقم کے ساتھ بھی، مخیرؔ صاحب نے ان اہل تعلق حضرت سے معلوم کیا کہ کیا یہ آپ کا نام ہے، یا آپ ہی اس سے مراد ہیں، تو انہوں نے نفی میں جواب دیا، اور اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، مخیرؔ صاحب نے یہی مکالمہ راقم سے کیا، تو ان کو صورت حال بتلائی گئی، ایک مرتبہ راقم کے یہاں جب بچی کی ولادت ہوئی، جس کا عقیقہ مسنونہ تھا، ان حضرت کو بھی دعوت دی گئی، انہوں نے دعوت قبول کی، اور آنے کا وعدہ کیا، مگر شریک نہ ہوئے، پھر انہیں مخیرؔ صاحب نے ان کو معلوم کیا کہ کیا آپ کو بھی دعوت دی تھی، تو انہوں نے نفی میں جواب دیا، جس سے مخیرؔ صاحب کو ان سے اور دیگر علماء وخدام قرآن سے بدظنی ہوگئی۔

معاملات کے سلسلہ میں باتیں اتنی ہیں کہاں تک لکھا جائے، ایک چندے کے سفر میں ایک فاؤنڈیشن کے ذمہ دار مولانا صاحب ساتھ ہوگئے، ناکارہ اپنی سادگی میں ان کو اپنے ساتھ ایک ایسے مخیرؔ کے پاس لے گیا جو ہمارے یہاں ایک بچہ کا سال بھر کا خرچ دیتے ہیں، میں نے ان سے ملاقات کی، بات چیت شروع کی، انہوں نے بچے کی رقم قبول کرلی، میں نے چند درس گاہوں کی تشکیل کی، ایک درس گاہ کا ان کو تخمینہ بتایا، وہ تیار ہوگئے، اور انہوں نے یہ بات شروع کی کہ اگر آپ کو یہ رقم چیک کے ذریعہ دی جائے، کوئی حرج تو نہیں، یا آپ کے مدرسہ کو پہنچادی جائے، یہاں تک بات ہوئی تھی کہ یہ فاؤنڈیشن والے مولانا جو ساتھ تھے، ان سے برداشت نہ ہوسکا، فوراً اپنی فائل اٹھا کر مخیرؔ صاحب کے سامنے اڑادی، مخیرؔ صاحب بڑے تاجر ذرا اصول پسند آدمی تھے، ان کا ذہن اس بداصولی سے ایسا بدلا کہ مخیرؔ صاحب نے ہمیں سوسودے کر چلتا کیا، اور کوئی بات سننے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

اب بتلائیے زندگی کے عام حالات تو یہ ہیں، کہاں انصاف ہوگا، کہاں بھیڑیا اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے، راقم یہ نہیں کہہ سکتا کہ زندگی کے تمام شعبوں میں سب لوگوں کے یہی تجربے ہیں، یا صرف راقم کے ہی ساتھ ایسا معاملہ ہے، بہر حال ان حالات کے تناظر میں سمجھا جاسکتا ہے، کہ کیسے امت کی نیا پار لگے گی، ہر جگہ ''بشکل رہبر چھپے ہیں رہزن'' والا معاملہ ہے، ایسا تو نہیں کہ سب کے سب چور ہی چور ہیں بلکہ اچھے لوگ بھی ابھی ہیں، ورنہ تو قیامت آجائے گی، لیکن عام حالات تشویشناک ہیں، اللہ تعالی ہم کو سب کو صحیح سمجھ دیدے اور دین کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ملفوظات

ملفوظات

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ

مولانا محمد انوری لائل پوری (فیصل آبادی)

مجھ سے تو اچھا گلی کا کتا ھے:

فرمایا جب ذاکر کے نزدیک مدح وذم برابر ہوجائے، تو انشاء اللہ تعالی کام بن گیا، اپنے آپ کو ایسا گرادے اور نیچے اتار دے کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، یہ یقین پیدا ہو جائے کہ میں ہی سب سے کمترین ہوں، سب مجھ سے اچھے ہیں، میں نے عرض کیا کہ بھاولپور میں امام العصر حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ نے فرمایا تھا کہ ہمارا نامہ اعمال تو سیاہ ہے،ہی یہ بات یقین کے درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ ہم سے تو گلی کا کتا بھی اچھا ہے، شاید یہ بات مغفرت کا سبب بن جائے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا جانبدار ہوکر بھاولپور میں آیا تھا، تمام مجمع چیخیں مار اٹھا، حضرت اقدس سرہ پر اس واقعہ کو سن کر بہت رقت طاری ہوئی، فرمایا کہ یہ واقعی شاہ صاحب تو ''آیۃً من آیات اللہ'' تھے۔

ھمارے پاس بھی دلائل موجودھیں:

فرمایا میں نے ملاحسن اور ترمذی شریف کا کچھ حصہ حضرت شاہ صاحب سے پڑھا ہے، سبق پڑھاتے وقت کہیں کے کہیں نکل جاتے تھے، میں تو غیر مقلد ہوجاتا اگر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا، جب حاضر ہوا تو ترمذی میں فاتحہ خلف الامام کی ہی بحث ہو رہی تھی، جب حضرت شاہ صاحب کی تقریر سنی تو قلب مطمئن ہو گیا کہ ہمارے پاس بھی دلائل موجود ہیں۔

ذکر پورا کئے بغیر کوئی چیز اچھی نہیں لگتی:

۱۹۴۰ء میں ایک دفعہ جب احقر رائے پور حاضر ہوا تو فرمایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب میں حاضر ہوا تو بھائی معزالدین صاحب خادم تھے، ہم بھی حجرے میں رہنے لگے، پرانا گڑ رکھا تھا، اس کو صاف کر کے رکھ لیا، بس چائے میں وہی ڈال کر پیتے تھے، اور ٹوٹی ہوئی ایک لاٹھی تھی، زہریلے جانوروں کو اس سے بھگا دیا کرتے تھے، اور بیڑی ویڑی کبھی دیکھی بھی نہ تھی، نہ کبھی لالٹین لے جاتے تھے، بس اندھیرے ہی میں اللہ تبارک وتعالی حفاظت فرماتے تھے، ذکر سے ایسی طبیعت چسپاں ہوئی کہ ایک ہی مجلس میں پورا کر لیتا تھا، نہایت ہی شد ومد سے ذکر کرتا تھا، مولانا محمد یحییٰ صاحب سہارن پور سے تشریف لاتے تو میرے پاس آ بیٹھتے کہ تیرا ذکر سننے آیا ہوں، ساڑھے تین گھنٹے میں پورا ہوتا تھا، پھر جب کمر تھک جاتی تو ایک تختی سے سہارا لگا لیتا، ذکر پورا کئے بغیر مجھے کوئی چیز اچھی نہ لگتی تھی، اب تو لوگوں کو کم ہی ذکر کا شوق وذوق ہے، اکثر فرمایا کرتے تھے:

صوفی نہ شود صافی تا در نہ کشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

جب تک مسکینی رھتی ھے تب تک ترقی ھوتی ھے:

فرمایا اس میں غصہ راستے میں حائل ہوجاتا ہے اور ترقی رک جاتی ہے، جس جس قدر ہوسکے متحمل ہو، حلم ہو، بردبار اور مسکینی، انشاء اللہ تعالی لے نکلتی ہے، میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ حضرت میں نے اس دربار میں ایک بات دیکھی ہے جو کسی بھی دربار میں نہیں دیکھی وہ یہ کہ اپنے آپ کو مار دینا، ہیچ محض سمجھنا، حتی کہ خدام کو بھی اپنے سے بہتر یقین کرنا، فرمایا ہاں آپ خوب سمجھے، جب تک مسکینی رہتی ہے تو ترقی ہوتی رہتی ہے، جب یہ آیا کہ میں بھی کچھ ہوں تو بس وہیں رہ گیا، مشائخ کے پاس اسی لئے آتے ہیں کہ رذائل نفس نکل جائیں اور فضائل پیدا ہو جائیں، شیخ طبیب ہوتا ہے وہ سالک کے حالات پر نظر رکھتا ہے، مثلاً

بخل ایک رذیلہ ہے وہ نکل جائے، سخاوت پیدا ہوجائے، خود ستائی خودنمائی کی بجائے اپنے عیوب پرنظر ہو جائے، ذکر کرنے سے قلب میں انشراح پیدا ہوتا ہے، اور اپنے عیوب پرنظر پڑتی ہے، ورنہ دوسروں کے عیوب نظر آتے ہیں، اپنے اوجھل ہوجاتے ہیں، عجب کی بجائے خدا کا شکر کرے، اور انعام خداوندی سمجھے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی فضل وکرم نہ فرماتا تو میں کہیں کا بھی نہ رہتا، فرمایا کرتے تھے کہ لوگ تصوف کو معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں، تصوف نام ہے، اخلاق فاضلہ آجانے کا جو بغیر صحبت شیخ کامل میسر نہیں آتا، تجربہ یہی بتلاتا ہے۔

مفرد ذکر (یعنی اللہ، اللہ) بدعت نہیں ہے :

۱۹۴۲ء کا واقعہ ہے، حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت مولانا کریم بخش مرحوم پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور حضرت سے مناظرہ کررہے تھے کہ آپ خلاف سنت ذکر کراتے ہیں، مفرد ذکر اللہ اللہ تو بدعت ہے، حضرت نے میری طرف دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ مسلم شریف میں حدیث صحیح موجود ہے ''لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَایُقَالُ فِی الْاَرْضِ، اَللّٰہَ اَللّٰہَ'' کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت کا سبق دیا اور ترمذی میں بھی حدیث موجود ہے، اور ''عرف الشذی'' میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''القول الجمیل'' میں قادریہ کا طریق ذکر فرمایا ہے کہ ان کے ہاں پہلے آٹھ تسبیح، پانچ، اللہ اللہ اسم ذات کی اور تین لا الہ الا اللہ نفی واثبات کی ہیں، کیا یہ بدعت ہے؟ نیز حضرت بلال رضی اللہ عنہ احد احد کا نعرہ لگاتے تھے، جب امیہ بن خلف حضرت بلال کو زدوکوب کرتا تھا، کیا یہ بدعت تھا؟۔

اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے :

پھر جب حضرت جالندھر تشریف لے آئے اور مجھے حکم دیا کہ مدرسہ خیر المدارس میں جاکر کتابیں لاکر ہمیں مسئلہ دکھا، چنانچہ میں گیا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ سے میں نے عرض کیا کہ تفسیر عزیزی میں ''وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا'' ذرا دیکھنا چاہتا ہوں، تفسیر فارسی پرانی کا نہایت صحیح نسخہ نکل آیا، اس میں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت شرح وبسط سے اس مسئلہ کو لکھا ہے، وہ کتاب لاکر میں نے عبارت حضرت کو سنائی، نیز ''الیواقیت والجواہر'' میں حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ''ولذکر اللہ'' کی شرح میں فرمایا ہے ''وَلَذِکْرُ اسْمَ اللّٰہِ اَکْبَرُ مِنْ ذِکْرَ سَائِرِ اَسْمَائِہٖ'' یہ بھی سنایا، حضرت اقدس بہت خوش ہوئے اور سہارنپور پہنچ کر سارے واقعات خود حضرت شیخ الحدیث دام مجدہم کو سنائے، میں بھی ساتھ تھا۔

مشاہدے کا ایمان نصیب ہوجاتاہے :

ایک بار فرمایا جب ذکر خوب جاگزیں ہوجاتا ہے تو توکل کی کیفیت راسخ ہوجاتی ہے اور توحید پر یقین ہوجاتا ہے، اس وقت آدمی عملی موحد ہوجاتا ہے، ہر چیز اللہ سے مانگتا ہے، جب تک یہ کیفیت راسخ نہ ہو تو کچا ہے، اور مراقبہ معیت خوب پختگی سے ہوتا ہے، کسی وقت طبیعت اوجھل نہیں ہوتی اور ''حَتّٰی یَاتِیَکَ الْیَقِیْنِ'' زندگی ہی میں نصیب ہوجاتا ہے، اس وقت ایمان تقلیدی سے نکل جاتا ہے اور مشاہدے کا ایمان نصیب ہو تا ہے اور ''اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ'' درجہ حضوری کے بعد مشاہدے کا درجہ ہے اور کم از کم درجہ حضوری کا ہے ''فانہ یراک'' یہ حضوری ہے جیسا کہ بعض محققین نے لکھا ہے، میں نے عرض کیا کہ ''انجاح الحاجۃ'' میں حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے، اس پر بہت خوش ہوئے۔

حضرت کو اللہ نے اخلاق عظیم کا حصہ وافر عطافرمایاتھا:

غالباً ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے کہ حضرت دہرہ دون میں حافظ ابراہیم صاحب کی کوٹھی پر رسپنہ ندی کے کنارے تشریف فرما تھے، راج پور میں کھیڑی کے ایک نواب صاحب نے دعوت کی کہ حضرت مع مہمانوں کے میری دعوت کھائیں، حضرت نے فرمایا کہ ہم تو یہیں دعوت کھائیں گے، تم دعوت تیار کرکے یہیں بھیج دو، نواب صاحب نے قبول فرمایا موٹروں پر دعوت کا سامان رکھ کر دہرہ دون ہی بھجوادیا، حضرت اقدس نے خوش ہوکر دعوت کھالی، میرے دل میں یوں ہی وسوسہ سا گزرا کہ چلے جاتے تو اچھا تھا، فوراً فرمایا کہ یہ بڑے اونچے لوگ ہیں، ہمیں خاطر

میں کب لاتے ہیں، یہ تو اپنے کتوں کو موٹر میں رکھ بٹھا کر علاج کروانے دہرہ دون بھیجتے ہیں، اگر ہمیں کھانا موٹروں میں رکھ کر بھیج دیں گے تو کیا حرج ہے، اس طرح کرنے سے میرا صرف یہ مطلب ہے کہ کچھ تو نیچے اتریں، چنانچہ دوسرے دن نواب مع بیگم صاحبہ خود تشریف لائے اور عذر اور معذرت کیا کہ ہمیں معاف فرمایا جائے، ہمیں تو خود حاضر ہونا تھا میں بیمار ہوگیا، خیر حضرت اقدس ملاطفت سے پیش آئے، اگلی جمعرات کو پھر دعوت کے لئے راج پور کی کوٹھی پر بیگم صاحب نے خود عرض کیا اور بیعت بھی حضرت سے کرلی، حضرت نے کچھ پڑھنے کو فرمایا، پھر بیگم صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ تو نماز بھی نہیں پڑھتے، صرف اس لئے عرض کیا کہ شاید اس طرح اور نیچے اتر آئیں اور حضرت سے بیعت ہو جائیں، حضرت اقدس نے قبول فرمالیا، پھر تو نواب صاحب خود کھانے میں شریک ہوئے اور بیعت بھی ہوگئے اور بڑے گرویدہ ہوئے، حضرت اقدس کو اخلاق عظیمہ سے اللہ تعالیٰ نے اس قدر حصہ وافر عنایت فرمایا تھا کہ دوسرا تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

تقسیم ملک سے پہلے کے حالات کی طرف اشارہ:

تقسیم ملک سے پہلے شام کا کھانا کھا کر مجھ کو نزدیک بلا کر بٹھاتے، اور یہ آیت مبارکہ تلاوت کراتے "وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا، فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ، فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ، وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا"۔

اس کا ترجمہ کراتے اور فرماتے "عبادالنا" کا کیا مطلب ہے؟ عرض کرتا کہ حضرت شاہ عبدالقادر نے "اپنے بندے" ترجمہ فرمایا ہے، فرماتے کہ وہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ بخت نصر تھا، جو کہ بت پرست بادشاہ تھا، اور بنی اسرائیل کو غلام بنا کر لے گیا تھا، معلوم ہوا کہ نبی کے صاحبزادے بھی اگر طغیانی پر اتر آئیں تو مشرکین سے پٹائی کرادی جاتی ہے، ایسا ہی حال ہمارا ہو رہا ہے کہ ہر معاملے میں خلاف شریعت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، خدا فضل کرے کہیں پٹائی نہ ہو، بھائی الطاف سے فرماتے ارے الطاف! کرلے جلدی جلدی جو کرنا ہے، معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے، آخر کار وہی ہوا جو ہونا تھا، اور خوب پٹائی ہوئی پھر بھی ہم کو سمجھ نہ آئی۔

اپنوں کی خاطر اپنی عاقبت خراب نہ کرے:

فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم فقط موجودہ حالات سے ہی سبق لیتے اور مراقبہ کرتے تو اس میں بھی بڑا سبق تھا کہ "جب اپنی کرنی اور اپنی بھرنی" ہی ٹھہری، تو اپنوں کی خاطر اپنی عاقبت نہ خراب کرے، کوئی وقت پر کام نہیں آتا، نہ باپ نہ بھائی، نہ بیٹا نہ بیٹی، خواہ کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو، دکھ درد کے وقت کام نہیں آتا، ملک کی تقسیم کے وقت سب کچھ کھل کر سامنے آگیا، لہٰذا اپنے اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑے اور اسی کو اپنا خیر خواہ تسلیم کرے، کسی پر بھروسہ نہ کرے، اس کی ذات پر توکل کرے، آخر اس ہی کی طرف واپس جانا ہے، تو جیتے جی کیوں نہ اس کا ہو رہے، اگر زندگی میں ملائکہ سے تعلق ہوگیا تو قبر میں مانوس رہے گا، انشاء اللہ تعالیٰ اس کو قبر میں وحشت نہ ہوگی، نہ منکر نکیر کے سوال و جواب سے گھبرائے گا کیونکہ رب العالمین پر پہلے ہی ایمان ہے۔

خدا پر یقین پیدا کرنا ہی کامیابی ہے:

اگر رب العالمین پر دنیا میں یقین ہے، یعنی یہ یقین کرتا ہے کہ میرا رب مجھے روزی پہنچاتا ہے، میرے کرنے نہ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، آسمان سے روزی اترتی ہے، میرا رب مجھے روزی پہنچاتا ہے، یہ یقین پیدا کرلے تو پھر اس کو آخرت میں کیا ڈر رہے، ہمیں تو خدا تعالیٰ پر اتنا بھی اعتماد اور توکل نہیں ہے، جتنا مہمان کو میزبان پر ہوتا ہے، جتنا چھوٹے بچے کو ماں باپ پر ہوتا ہے، ہم تو باوجود ایمان لانے کے یہ اعتماد ہی نہیں کرتے کہ ہمارا کوئی رب ہے جو ہم سے روزی کا وعدہ کرتا ہے، نہ آخرت میں باز پرس پر یقین ہے، بے عملی کی زندگی تب ہی تو گزارتے ہیں، اس کو بخشنے والا مانتے ہیں، یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ غفور رحیم ہے، لیکن اس نے ہم پر اپنی عبادت بھی تو فرض کردی ہے، اس کو ماننا بھی تو فرض ہے، اس لئے ہم کو یقین نہیں آتا کہ عبادت کریں گے تو بخشے جائیں گے، نیکی کرنا فرض ہے، شرک اور کفر اور گناہوں سے بچنا فرض ہے۔ ❁

سفرنامہ

مغربی یوپی کا ایک یادگار سفر

مولانا جمال احمد ندوی جامعہ مصباح العلوم کوپا گنج، مئو

مغربی یوپی جو دراصل اپنی زرخیزیوں اور شادابیوں کے ساتھ ساتھ علمی، ادبی، فکری، تحریکی اور اسلامی درسگاہوں، فکرانگیز اور بصیرت افروز علمائے ربانی کی خانقاہوں کا حسین سنگم ہے، اسی خطۂ علم وفن، بحث وتحقیق اور درس وتدریس سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور محدث جلیل حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری بھی تعلق رکھتے ہیں۔

سہارنپور، مظفرنگر، کاندھلہ، دیوبند اور رائے پور سے جو علمائے ربانی اٹھے ہیں وہ درحقیقت درکف جام شریعت درکف سندان عشق کے آمیزہ سے تیار ہوئے تھے، برسوں سے اس خطے کی زیارت کی آرزو تھی، بالآخر ۲۰/اگست بروز منگل برادرم مولانا شمس الرحمٰن قاسمی مظاہری استاذ جامعہ اسلامیہ مظفرپور، اعظم گڈھ، مقیم حال العین ابوظبی کی رفاقت ومعیت میں سفر کا آغاز ہوا۔

۲۱/اگست ۲۰۱۳ء بروز بدھ کی صبح مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ پہنچے، اساتذہ کرام سے دعاوسلام کے بعد حضرت الاستاد مرشدی ومولائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی خدمت میں حاضری دی، اور سفر کے بارے میں اطلاع دی، حضرت نے بڑی خوشی ومسرت کا اظہار فرمایا، کچھ ضروری ہدایات اور مفید مشورے بھی دیئے، استاذ محترم حضرت مولانا نذرالحفیظ ازہری ندوی ''عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ'' رائے پور کے تذکرے سے بہت خوش ہوئے، اور فرمایا کہ مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی سے رابطہ کرلیں، تو رائے پور کا سفر آسان تر ہوجائے گا۔

راقم الحروف نے عرض کیا کہ ان سے رابطہ ہوچکا ہے، انکے وہاں بھی جانے کا پروگرام ہے، بدھ کی رات کو ساڑھے دس بجے چندی گڑھ اکسپریس سے سہارنپور کے لئے روانہ ہوئے، اور منگل کے روز دوپہر ۱۲/بجے سہارنپور پہنچے، وہاں مدرسہ مظاہر علوم جدید میں پہلی بار حاضری کی سعادت ہوئی، نماز ظہر سے قبل مولانا محمد سلمان ناظم اعلیٰ، داماد حضرت شیخ سے ملاقات ہوئی، انکے اخلاق کریمانہ سے طبیعت بہت متاثر ہوئی، انہوں نے حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت شیخ محمد زکریاؒ کے مابین علمی، تحقیقی اور اصلاحی تعلق کے بارے میں بہت ہی مفید اور معلومات افزا باتیں گوش گذار کیں، ہم لوگ دیر تک ایک روحانی ماحول میں رہے، بعد نماز ظہر کھانے کے بعد تھوڑا آرام کرنے کے بعد مولانا معاذ احمد ندوی استاذ مظاہر علوم سے ملاقات ہوئی، جو ہر طرح کی سہولیات فراہم کرنے میں پیش پیش رہے، اللہ ان کو بہترین اجر دے۔

عصر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد عاقل صاحب داماد حضرت شیخ کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی، انہوں نے شفقت ومحبت اور خوردنوازی کا مظاہرہ کیا، دیر تک علمی اور اصلاحی باتیں کرتے رہے، وہ واقعی مردحق آگاہ اور متقی و پرہیزگار عالم دین ہیں، جو تدریسی مصروفیات کے باوجود تزکیہ وسلوک کا کارخیر بھی انجام دیتے ہیں، ہمارے رفیق سفر مولانا شمس الرحمٰن کے مظاہر سے تعلق کی وجہ سے اس سفر میں بہت سہولت ہوئی۔

قبل ازمغرب پیرطریقت حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب جانشین حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت اپنی خانقاہ میں تشریف فرماتھے، اس عرفانی وروحانی مجلس میں کوئی اصلاحی کتاب پڑھی

جارہی تھی، ہم لوگ بھی استفادہ کی غرض سے بیٹھ گئے، یہ مجلس مغرب کی اذان پرختم ہوئی، بعد نماز مغرب جب حضرت معمولات سے فارغ ہوئے، تو سلام مصافحہ کے بعد خیر خیریت دریافت فرمائی، سفر کی غرض اور حضرت مرشدی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے نسبت وتعلق سے علم کے بعد خصوصی توجہ فرمائی، اور حضرت مرشدی کی دیر تک خیریت و عافیت دریافت فرماتے رہے، اور حضرت مفکر اسلام سے والہانہ تعلق کا اظہار کرتے رہے، آخر میں عشائیہ کی پیشکش بھی کی، مگر کھانا پہلے ہی سے دوسری جگہ طے تھا، واقعی پورے دن چوٹی کے علماء ومحدثین سے ملاقاتوں اورانکی علمی اور روحانی مجلسوں سے فیضیاب ہوتے رہے۔

اگلے روز ۲۳؍اگست بروز جمعرات صبح ۹؍بجے حضرت مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب نے اپنی گاڑی سہارنپور بھیج دی، اور مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری استاذ مرکز احیاء الفکر الاسلامی کی رہبری میں اپنے رفقائے سفر مولانا شمس الرحمٰن قاسمی مظاہری اور حافظ محمد شارق سلمہ کے ساتھ مظفر آباد کیلئے روانہ ہوگئے، مظفر آباد سہارنپور سے تقریباً ۳۰؍۳۲؍کلومیٹر پر واقع ہے، مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری بہت ہی فعال متحرک اور مرنجامرنج شخصیت کے حامل ہیں، ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کی اکثر ذمہ داری بھی انہیں کے ذمہ ہے، ان کی رہنمائی میں ۱۰؍بجے مظفر آباد پہنچے، مولانا مسعود عزیزی ندوی صاحب نے بہت اچھے انداز میں ہمارا استقبال کیا، مولانا موصوف کے دولت کدے پر ناشتہ کا انتظام تھا، اسکے بعد مولانا نے مختلف شعبوں کا معائنہ کرایا، مثلاً جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات کی درسگاہوں، دارالاقامہ وکتب خانہ اور مختلف جگہوں کا معائنہ کرایا، اس جامعہ میں ابتدائی درجات سے فضیلت تک کا معقول علمی واصلاحی وتربیتی اور تحقیقی انتظام ہے، اسی ادارہ سے تھوڑے فاصلے پر مرکز کی عمارتیں ہیں، جس میں جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ کی درسگاہیں، دارالاقامہ، کتب خانہ اور مسجد امام ابی الحسن الندوی واقع ہے، اسی کے متصل دارالضیوف بھی واقع ہے، جہاں مہمانوں کیلئے ہرطرح کی سہولیات فراہم ہیں، یہاں سے شائع ہونے والا دعوتی علمی، ادبی، فکری اور اصلاحی رسالہ ماہنامہ ''نقوش اسلام'' بھی اہمیت کا حامل ہے، واضح رہے کہ اس دور میں دعوتی اور اصلاحی رسالے نکالنا بڑا دشوار گذار کام ہے۔

یہ سارے شعبے مرکز کی زیرنگرانی ترقی کی راہ پر گامزن ہیں، مولانا عزیزی ندوی کواللہ نے بڑی خوبیوں سے نوازا ہے، موصوف محترم سے دوسال قبل یکم؍اکتوبر ۲۰۱۱ء بروز اتوار یک روزہ مذاکرہ علمی'' بعنوان لسان العصر اکبرالہ آبادی اوران کے معاصر شعراء'' کے موقع پر مدرسہ دینیہ غازیپور میں ملاقات ہوئی، پھراس سال جب رمضان کے آخیر عشرہ میں دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں نیازمندانہ حاضری ہوئی، حضرت مرشدی سے ملاقات کے بعد مولانا عزیزی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، جو پہلے ہی سے معتکف تھے، دعا وسلام کے بعد سہارنپور، رائے پور اور دیوبند وغیرہ کا پروگرام بتایا تو موصوف نے فرمایا: کہ جب بھی آپ تشریف لائیں، ہمارے یہاں قیام کریں، جس سے آپ کوسہولت اور ہمیں خوشی ہوگی، مولانا موصوف مظفر آباد میں جس علمی، عرفانی، روحانی، دعوتی اوراصلاحی شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں، اللہ اسے ہمیشہ فروزاں رکھے اورانہیں استقامت سے نوازے، مولانا عزیزی ندوی بزرگان دین اورمشائخ کے پروردہ ہیں، ندوہ، دیوبند اور مظاہر علوم کے اکثر اساتذہ کرام آپ کے نام اور کام سے واقف ہی نہیں بلکہ معترف اور مداح بھی ہیں، کیونکہ آپ کی اشہب قلم سے علمی، دعوتی، اصلاحی، فکری اور سوانحی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، مولانا موصوف کے اخلاق کریمانہ، ادائے دلبرانہ اور مراحم خسروانہ سے ہم لوگ بہت ہی محظوظ ہوئے، مولانا نے اپنی جملہ کتابیں (جن کی تعداد تقریباً تیس ہیں، ان میں سے اکثر کتابیں) ہم لوگوں کو ہدیتاً عنایت فرمائیں، یہ مولانا کی مہمان نوازی اورانکی قدردانی کا مظہر ہے۔

نماز جمعہ سے قبل مولانا کی فرمائش پر کچھ بیان ہوا، پھرنماز جمعہ کی امامت کی سعادت بھی نصیب ہوئی، یہ سب مولانا کی کرم فرمائیاں ہیں جوعقیدت ومحبت اور اپنائیت کے احساس کو دوآتشہ کرنے میں بڑی

کارگر ثابت ہوئیں، راقم انکے حسن انتظام، مہمان نوازی، جہد مسلسل اور ذوق علمی سے بڑی حد تک متاثر ہوا: کہ اتنی قلیل مدت میں مولانا جس جاں فشانی کے ساتھ یہ علمی چمن آباد کئے ہوئے ہیں اس میں جہاں انکے خلوص کو دخل ہے، وہیں ان کے اساتذہ اور بزرگوں خصوصاً مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ، مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اور دیگر مشائخ کی دعاؤں کی آمیزش بھی ہے، خدا کرے یہ چمن ہمیشہ آباد رہے، نماز عصر سے کچھ دیر پہلے یہ مختصر سا قافلہ رائے پور کیلئے روانہ ہوا، جہاں کا ذکر خیر زمانے طالب علمی سے سنتے آئے تھے کہ علم وعرفان، ذکر وفکر، تزکیہ وسلوک اور درس وتدریس کا یہ چمن کتنا سدا بہار ہے، جس کی خوشہ چینی میں فقہ وفتاویٰ کے مسند نشیں، قرآن و سنت کے سچے جاں نشیں اور قرطاس وقلم کے حاملین اپنی روحانی تسکین کیلئے چلہ کشی کیا کرتے تھے اور باطنی اصلاح سے بہرور ہوتے تھے، ہم لوگوں نے عصر کی نماز رائے پور کی خانقاہ میں ادا کی، جہاں الحاج عتیق احمد صاحب سے ملاقات ہوئی، چائے ناشتے سے فراغت کے بعد عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی، حضرت چند سالوں سے صاحب فراش ہیں، استغراق کی کیفیت طاری رہتی ہے، اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ عافیت کے ساتھ رکھے۔

اس خانقاہ کے چپے چپے سے آہ سحرگاہی و نالۂ نیم شبی کی چاشنی محسوس ہو رہی تھی، خیال تھا کہ یہ خانقاہ بھی صرف بزرگوں کی یادگار ہوگی، مگر ذکر وفکر، تزکیہ وسلوک اور درس وتدریس کا کارواں خیمہ زن ہے، اس خانقاہ کی کشش کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مدنی، حضرت تھانوی، مولانا محمد الیاس اور حضرت شیخ محمد زکریا علیہم الرحمہ اسکے جرعہ کش اور مفکر اسلام اور مولانا منظور نعمانی اس خانقاہ کے خوشہ چیں اور پروردہ تھے۔

مغرب سے کچھ وقت پہلے واپسی میں سنسار پور حاضری ہوئی، جہاں قطب عالم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے خلیفہ ومجاز حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی، وہ اپنی کبرسنی کے باوجود بڑی بشاشت سے ملے، ہمیں عشاء کی نماز سہارنپور میں ادا کرنی تھی، اسلئے وہاں سے اجازت لیکر رخصت ہوئے، رات دس بجے سہارنپور پہنچے، جہاں عشائیہ کے بعد مہمان خانے میں آرام کیا، بستر پر دراز ہوا تو پورا نقشہ ذہن میں ابھر آیا کہ کیسے ہمارے بزرگان دین ان دور دراز اور سہولیات سے محروم خطوں میں علم وعرفان کی بزم سجائے ہوئے تھے، سچائی یہی ہے کہ جن جن بزرگان دین کی زیارت وملاقات سے بہرور ہوئے ہیں، وہ سب کے سب یادگار اسلاف اور برکۃ العصر ہیں، ہماری خوبصورت یادوں کے کشکول میں یہ آبدار موتی ہمیشہ شعور وادراک کو فروزاں کئے رہیں گے، صبح فجر کی نماز کے بعد ۲۴؍اگست کو مظاہر علوم کی زکریا منزل اور دیگر شعبہ جات کے معائنے کے بعد ۹؍بجے دیوبند کیلئے روانہ ہوگئے۔

۱۱؍بجے ہم لوگ دیوبند پہنچ گئے، مہمان خانے میں قیام رہا، ظہرانہ طلبۂ کوپا گنج کے یہاں تھا، بعد نماز ظہر حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی، پھر مفتی عبداللہ معروفی استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث سے ملاقات ہوئی، یہ بہت ہی فعال اور فاضل جوان محدث ہیں، ان کا ذکر خیر مولوی شمس الرحمٰن قاسمی مظاہری سے بارہا سنا، یہ ان سے خصوصی تعلق بھی رکھتے ہیں، عشائیہ پر مدعو کیا، بعد نماز عصر بحرالعلوم مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی کے دولت کدے پر حاضری ہوئی، خوب علمی، فکری اور ادبی مجلس رہی، ناشتے کے بعد واپسی پر مزید صبح ناشتے پر بھی مدعو کیا۔

اگلے روز ۲۵؍اگست بعد نماز فجر مزار قاسمی پر فاتحہ خوانی کیلئے حاضری ہوئی، پھر حضرت بحرالعلوم کے ناشتے پہ حاضر ہوئے، پھر وہاں سے ۹؍بجے ہم لوگ ایک دن اس مرکز علم وفن، دعوت وتبلیغ اور بحث و تحقیق میں گذار کر دہلی کیلئے روانہ ہوگئے۔

❁❁❁

جائزہ

رہ گزر ''وقت'' ہے اِنساں کی تو......!!

عزیز بلگامی، بنگلور

ہم روز یہ منظر دیکھتے ہیں کہ ایک طے شدہ زاویہ پر سورج ہر روز اپنے مقررہ وقت پر مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور وقت کی اپنی طے شدہ منزلیں طے کرتا ہوا، اپنے مقررہ زاویہ پر مغرب کی سمت غروب ہو جاتا ہے، اِن ہی دو واقعات کے درمیانی وقفہ کو ہم نے ''دن'' کا نام دے رکھا ہے، اِسی طرح سورج کے غروب کے لمحے سے لیکر اس کے اگلے دن طلوع کے لمحے تک کے وقفے کو ہم ''رات'' کا نام دیتے ہیں، اِس طرح ''دن اور رات'' کے ان دو حصوں کے مجموعہ کو ہم ''ایک دن'' شمار کرتے ہیں، پھر یہ کہ دن چاہے چھوٹا ہو کہ بڑا یا رات چاہے چھوٹی ہو کہ بڑی، یہ ''ایک دن'' چوبیس گھنٹوں ہی پر مشتمل ہوتا ہے، نہ اس سے کم نہ اِس سے زیادہ؛ لیکن ایک ''دن'' ایسا بھی ہونے والا ہے کہ جس کی طوالت چوبیس گھنٹوں کی نہیں، بلکہ ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہوگی، گو کہ یہ بات لوگوں کو بڑی عجیب سی لگتی ہے، لیکن وقت کے خالق نے ہی ہم پر یہ حقیقت آشکارہ کی ہے، سورۂ سجدہ میں اللہ تعالی اِرشاد فرماتا ہے: ''وہی اللہ ہے جو جملہ امور کو سیٹ کر کے آسمان سے زمین کی طرف اتارتا ہے جو اللہ کی طرف عروج پاتے ہیں ایک دن میں، جس کی مقدار تمہاری گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہوتی ہے''۔

جہاں تک ''زمینی دن اور رات'' کی بات ہے، تو یہ سورج کے اطراف زمین کی گردش سے وجود میں آتے ہیں، اِس واقعہ کا تذکرہ رب کائنات نے اپنے کلام میں سورۂ انبیاء میں ان الفاظ میں فرمایا ہے: ''اور وہی ایک اللہ ہے، جس نے رات اور دن کی تخلیق کی اور سورج اور چاند کی (تخلیق کی) ہر کوئی اپنے اپنے مدار میں، تسلسل کے ساتھ بلا چوں چراں اللہ کے احکامات پر عمل کیے جا رہا ہے''۔

اِن آیات میں وقت کا جو تصوّر اُبھرتا ہے، وہی آج ہمارے مضمون کا موضوع ہے، دراصل ''وقت'' اپنے آپ میں کوئی ایسی شئے نہیں کہ جسے قطعی یا مستقل کہا جا سکے، اِنسانوں کی آنکھوں کے سامنے رونما ہونے والے بس دو واقعات ہیں جن کا درمیانی وقفہ ''وقت یا Time'' کا تصور پیدا کرتا ہے، اِنسانی دماغ میں جمع شدہ واقعات کے ذخیروں اور اِن کے مابین تناسب سے وقت کے تصور کا ادراک یا کیفیت وقت کو اپنے اندرون سے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن الفاظ میں اِس کی ماہیت کا اِظہار اِنسان کے بس کی بات نہیں، اِس لئے کہ وقت مادی اعتبار سے کوئی ایسی قطعی شئے ہے ہی نہیں جس کو دیکھا یا پرکھا جا سکے، یہ تو سراسر ادراک سے متعلق ایک تصور ہے، جسے صرف اپنی چھٹی حس سے سمجھا جا سکتا ہے، جس طرح مختلف رنگوں کے درمیان تمیز کرنے یا قوت ذائقہ کے ذریعہ کسی شے کا ذائقہ معلوم کرنے، یا قوت شامہ یا خوشبو یا بدبو کے مابین تمیز کرنے کا معاملہ ہوتا ہے، اُسی طرح وقت بھی واقعات اور دیگر عوامل کے ساتھ اِن کے ممکنہ تعلق و تناسب سے ادراک کی جانے والی حقیقت ہے۔

بیسویں صدی میں آئینس ٹائن کے ذریعے پیش کیے گئے ''عمومی نظریۂ اِضافیت'' یا General Theory of Relativity کے مطابق ''وقت کی اپنی کوئی آزادانہ حیثیت نہیں ہوتی، بجز اِس کے کہ واقعات کی ترتیب کے اعتبار سے ہم اِسے صرف محسوس کر سکیں''، چونکہ وقت ایک طرح کا احساس ہے، اِس لئے اِس کا کامل فہم محسوس کرنے والے کے ادراک پر منحصر ہوتا ہے، یعنی ...... واقعات اور دیگر عوامل

...... کے درمیان ایک نسبت یا Relativity ہی کے ذریعے وقت کا تصور ممکن ہے، اِس طرح کی Relativity......''حوالوں کے مختلف چوکھٹوں ہی میں ممکن ہو سکے گی، اِس کا حقیقی تصور آئندہ سطور میں رفتہ رفتہ واضح ہوتا چلا جائے گا۔

انسانی جسم میں کوئی قدرتی گھڑی ایسی نہیں ہے، جس کے ذریعے ''وقت'' کو حتمی اور قطعیت کے ساتھ ناپا جا سکے، چنانچہ فہم کی قوت سے ہی وقت کے گذرنے کو سمجھا جا سکتا ہے، جو گھڑیاں ہماری دیواروں پر سجی ہیں، یا ہماری کلائیوں پر بندھی ہوئی ہیں یا ہمارے موبائل کے ڈیجیٹل اسکرین پر دکھائی دیتی ہیں وہ ''وقت'' کی تعریف متعین کرنے میں ہماری معاونت سے قاصر ہیں، بلکہ یہ تو صرف وقت کے گزرنے کے واقعہ سے ہمیں باخبر رکھنے کا کام کرتی ہیں، جس طرح گلاب کی سرخی، آنکھوں میں بصیرت کے بغیر بے معنی ہے، جس طرح خوشبو، قوت شامہ کی موجودگی کے بغیر کوئی معنیٰ نہیں رکھتی، اسی طرح ''وقت'' بھی، کسی واقعہ کے ظہور کے بنا بے معنی ہے، آئنسٹائین کے ''عمومی نظریۂ اِضافیت'' Theory of General Relativity کے مطابق، وقت کی رفتار کا تصور بدلتا رہتا ہے ''وقت کی رفتار کی تبدیلی'' کا اِنحصار کسی ''مادی شئے یا Object کی رفتار'' پر اور کسی میدانِ کششِ ثقل میں اُس کے محل Position پر ہوتا ہے، جیسے جیسے Object کی رفتار بڑھتی جائے گی، ویسے ویسے وقت کی رفتار کم ہوتی جائے گی اور یہ گھٹنے یا سکڑنے لگے گی، انگریزی کے یہ الفاظ اِس حقیقت کے مزید فہم کے لیے زیادہ واضح ہیں: "Speed of time changes depending on the speed of the object, and its position in the gravitational field. As speed increases, time is shortened and compressed, and it slows down."

آئنس ٹائن نے خود ایک مثال کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی ہے: ''فرض کیجئے، دو جڑواں بچے ہیں اور اگر اِن میں سے ایک کو زمین پر رکھا جائے اور دوسرے کو خلاء میں، روشنی کی رفتار یعنی 3 x 108 (تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ) کی رفتار سے بھیجا جائے تو خلاء سے جب اس کی واپسی روشنی ہی کی رفتار سے ہوگی تو وہ زمین پر رہنے والے اپنے جڑواں بھائی کو عمر میں اپنے سے زیادہ عمر والا پائے گا، کیونکہ روشنی کی رفتار سے سفر کرنے والے خلاباز بچے کے لئے وقت کی رفتار انتہائی کم ہو چکی ہوگی اور اس پر عمر کے بڑھنے کا اثر Ageing Effect بہت کم ہو گیا ہوگا، اِسی طرح ایک دوسری مثال کے ذریعہ Einstien نے یوں بھی سمجھایا تھا کہ اگر ستائیس سالہ والد اور اس کے تین سالہ بچے کے ساتھ یہی تجربہ دہرایا جائے یعنی خلاء میں والد کو بھیجا جائے اور وہ تیس سال گذارنے کے بعد وہ جب زمین پر واپس آجائے، تو بچے کی عمر تینتیس سال اور والد کی عمر تیس سال ہی ہوگی۔

رفتار کے ساتھ وقت کی یہ مناسبت، گھڑی کے دھیمی چلنے یا تیز ہو جانے پر منحصر نہیں ہوتی، بلکہ مادّے کی پوزیشن سے یا Frame of Reference میں اُس کی رفتار کے Operation Period پر منحصر ہوتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وقت صرف Relative Perception یا ''واقعات اور مادے کی رفتار میں نسبتوں کے ذریعے ادراک شدہ ایک احساس'' ہے، چودہ سو سال قبل، اس Relativity کو رب تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دیا تھا اور انسانیت کو راغب کیا تھا کہ اپنی عقل و دانش کو کام میں لائے، گرد و پیش کی چیزوں پر غور کرے، اپنے رزق کی فراہمی کے نظام پر توجہ کرے، زمین کی پیداوار پر، بارش کے نظام، سورج اور چاند کی رفتار، دن اور رات کی گردش، اپنے سر پر ایستادہ نیلگوں آسمان پر غور کرے تو ہر جگہ اسے Relativity کی وضاحت کرنے والی اپنے رب کی بے شمار نشانیاں بکھری دکھائی دیں گی، اللہ نے اسے فہم اور عقلِ سلیم کی جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس کا استعمال اس کی اپنی دنیاوی و اُخروی فلاح کا ضامن بن جائے گا، سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات اور دن کے ایک تسلسل کے ساتھ آگے پیچھے آتے رہنے

میں، کئی طرح کی عبرت دلانے والی نشانیاں، PinchingEvidences ہیں اپنی عقل کا Optimum استعمال کرنے والوں کے لئے''۔

کیا ہم رب تعالےٰ کی بخشی ہوئیں عقلِ سلیم اور فہم وادراک جیسی نعمتوں کو استعمال میں نہیں لائیں گے، جو ہمہ تن مستعد ہیں، ہمیں اپنے خالق سے متعارف کرانے کے لیے.....؟ زندگی اور موت، سزا وجزا کی Relativities کی جو بے شمار تفصیلات ہمارے خالق کی آخری کتاب میں درج ہیں کیا ہم اِن کی جستجو کو کبھی لپکیں گے بھی......؟ کیوں کہ یہیں ہمیں اپنے انجام بد یا انجامِ خیر کی Relativities سے واقفیت ممکن ہے؟ جہاں ہم سائنسی حقائق کی دریافت کر پائیں گے اور یہ جستجو ہمیں اِنسانیت کی حقیقی خدمت گزاری کے قابل بنا سکے گی، ہمارے وجود کو اِنسانیت کے لیے نفع بخش بنانے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ہم کتاب اللہ سے قریب تر ہو جائیں، اور جب ہم اس کی برکات سے مستفیض ہونے لگیں گے تو ہمارے رب کے کلام کو دنیا کے دوسرے انسانوں تک پہنچانے کے قابل بھی بن جائیں گے۔

چونکہ وقت Relatively سے طے ہونے والی چیز ہے، اِس لیے اس کی مختلف مادی اشیاء کی رفتاروں کی Relativities کے ساتھ ہی اِس کا ادراک واحساس ممکن ہو سکے گا، اس بارے میں ہمارے رب کی کتاب میں مزید ہمیں معلومات ملتی ہیں: سورۂ مومنون میں ہے'' (اور قیامت کے دن رب تعالیٰ انسانوں سے) پوچھیں گے، کہ برسوں کی گنتی کے مطابق، تم زمین میں کتنی مدت تک قیام پذیر رہے؟ انسانیت جواب دے گی کہ ہم (شاید) ایک دن، یا دن کا کچھ حصہ رہے ہونگے، پوچھ لیجئے گنتی کرنے والوں سے، رب تعالیٰ فرمائیں گے، واقعتاً تم اس دنیا میں بہت تھوڑی مدت رہے، کاش تمہیں اس کا علم ہوتا''۔

Frame of Reference کے بدل جانے کے سبب برو زِمحشر ہر انسان کو یہ احساس ہو جائے گا کہ وہ زمین پر بہت ہی مختصر وقفہ کے لئے رہ پایا ہے...... چند گھنٹے یا صرف دن کا ایک حصہ، یا ایک دو پہر...... اسلئے کہ ساعت قیامت کے ساتھ یہ زمین، یہ آسمان، یہ سورج، یہ چاند، غرض کہ اِس سارے نظامِ کائنات کی بساط کو بس ایک ہی جھٹکے میں لپیٹ دیا گیا ہوگا اور پھر اسے رب تعالیٰ اپنی منشاء ومرضی کے مطابق دوبارہ ایک جدید شکل دے کر ایک نئے Frame of Reference کے ساتھ 'کُن' کے ایک ہی لفظ کی صدا کے ساتھ پیدا فرما چکا ہوگا، سورۂ اِبراہیم میں ہے:''جس دن زمین بدل کر رکھ دی جائے گی، ایک دوسرے ہی انداز کی زمین سے اور آسمان بھی، اور ساری انسانیت اللہ واحد القہار کے سامنے ظاہر Expose ہو جائے گی''۔

وہ Frame of Reference ہی رب تعالیٰ بدل کر رکھ دیں گے یعنی اِنسان کا محل وقوع ہی بدل جائے گا، جہاں خود اُس کی اپنی زمینی عمر کے ساٹھ ستر سال بھی کم سے کم ایک دن کا کچھ حصہّ یا زیادہ سے زیادہ ایک دن نظر آئیں گے، جس نظریۂ اِضافیت کو وہ آج سمجھ نہیں پا رہا ہے وہ وہاں ایک لمحے میں سمجھ جائے گا، ظاہر ہے کہ حشر میں ایک مختلف محل میں وہ کھڑا ہوا ہوگا، وقت کے گزرنے کی رفتار زمینی زندگی کے وقت کی رفتار سے یکسر مختلف ہوگی، اسی کا تذکرہ رب تعالیٰ فرما رہے ہیں اپنی کتاب کی سورۂ حج میں ہے:''اور یہ قیامت کے دن کے حساب سے بے پرواہ لوگ جلدی مچاتے ہیں عذاب کی، حالانکہ اللہ ہرگز خلاف نہیں کرتا اپنے وعدے کے، بیشک تمہارے رب کے پاس ایک دن کی گنتی ہے، جیسے تم ایک ہزار سال گنتے ہو''۔

ظاہر ہے، ہماری دن اور رات کی گنتی کا تمام تر دارومدار زمین کے سورج کے گرد گھومنے اور زمین کے خود اپنے ہی محور پر گردش کرنے پر ہے، مثلاً، اگر ہم زمین سے فضا میں چلے جائیں، تو زمین اور اسکی گردش کے ماحول سے جدا ہو جائیں گے، چوبیس گھنٹوں کے یہ دن اور رات کا سلسلہ ہمارے لیے بے معنی ہو کر رہ جائے گا، اِس حقیقت کو مزید واضح طور پر سمجھنے کے لیے ایک اور مثال کافی ہوگی، مثلاً: زمین اور اس کے مدار میں ہی رہتے ہوئے اس کا تجربہ کیا جا سکتا ہے، کہ اگر ہم گردشِ زمین کی رفتار کے برابر رفتار رکھنے والا ایک ہوائی جہاز لے کر مشرق سے مغرب کی طرف پرواز کریں تو، ہمارا دن ختم نہیں ہوگا، جیسے وقت کی

رفتار ہمارے لئے رکی ہوئی ہو، ہماری گھڑیوں کو ہمیں ایک ہی مقام پر روک دینا ہوگا، یہ بھی قران شریف کا معجزہ ہے کہ دن اور رات کی زمین کی گردش سے جڑی اس گنتی کا حوالہ خود ہمارے طریقۂ شمار Calculation سے دیا ہے، چودہ سو سال قبل جب ربّ کائنات اپنی کتاب کا نزول فرما رہا تھا، اُس وقت کی دنیا کو یہ پتہ بھی نہیں تھا کہ زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے، یہ بھی انسانیت کے لئے قرآن شریف کا چیلنج ہے کہ لفظ ''الیوم'' کو اس نے دن اور رات کے ہمارے Calculation کی طرح استعمال نہیں کیا ہے، بلکہ ایک مخصوص Period یا عرصے کے لئے استعمال کیا ہے، چنانچہ آیت شریفہ میں ان لوگوں کو جو اپنے رب کی طاقتوں کو نا قابلِ اعتناء سمجھتے ہیں، یا اپنی بے راہ روزندگی پر کسی نظر ثانی کو تیار نہیں، اور مالکِ کائنات کی سزا اور اس کے عذاب سے کسی خوف کے بجائے، اپنی انا، ضد اور غرور کے زیر اثر آکر یہ بے معنی سوال شعوری یا غیر شعوری طور پر اُٹھاتے ہیں کہ یہ عذاب جس کی بار بار وارننگ دی جا رہی ہے، اُسے کب آنا ہے اور وہ کب برپا ہوگی؟ ایسے خوابیدہ لوگوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لئے اور خود اسکی اور اس دنیا کی حقیقت کی یاد ہانی کے لئے بطور نمونہ خالقِ انسانیت، زلزلے، سیلاب اور آندھیوں کی شکل میں تباہ کن عذاب بھیجتا رہا ہے تاکہ آن کی آن میں انسانوں کی ساری ترقیاں دھری کی دھری رہ جائیں اور قدرت کی طاقت کے آگے وہ اپنے آپ کو لاچار پائے، یہ اور بات کہ ایسی کتنی ہی تنبیہات Notices کتنے ہی خدا فراموش انسانوں کو اُن کے خوابِ غفلت سے جگا نہیں پاتیں، انسان اپنی دن اور رات کی گنتی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہوئے جیتا ہے اور اپنی نادانی میں یہی سوچتا رہ جاتا ہے کہ ساری کائنات بھی اسی رفتار سے، دن رات اور ماہ و سال کی اِسی گنتی میں جیتی ہوگی، کئی صدیوں قبل ہمارے مالکِ اعلیٰ نے بھی ہماری اِس نادانی کو نوٹ کیا تھا اور ہمیں دانائی کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دی تھی کہ جس کرۂ ارض پر تم اپنی دنیاوی محافل سجائے بیٹھے ہو، اس کی حیثیت کائنات میں ایک چھوٹے سے گیند کے مقابلے میں بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی، اِس دنیا اور اِس کے تمام تر ساز و سامان کی حقیقت کے تعلق سے اِسی دنیا اور اِسی کائنات کے خالق و مالک نے جو اطلاعات فراہم کی ہیں، اُن کا ایک نمونہ سورۂ انعام میں ملاحظہ فرمائیں: ''اے انسانو! اچھی طرح جان لو کہ یہ دنیوی زندگی محض ہاتھ سے نکل جانے والے وقتی مزے اور تماشے کے سوا کچھ نہیں اور آخرت کا گھر ہی ان لوگوں کے لئے مستقل اور بہتر ہے جو اس دنیا میں تقویٰ والی زندگی گذار کر آئے ہونگے، پھر تم اپنی عقل کیوں نہیں استعمال کرتے''۔

دنیاوی زندگی کے بارے میں سورہٗ آلِ عمران میں مزید فرمایا: ''انسان کے لئے مرغوباتِ نفسی Tempting Wishes in Women اولاد یا Man Power، سونے چاندی کے ڈھیر Stocks، نشان زد گھوڑے، سواریاں، مویشیوں یا Live Stock مزین کردئے گئے ہیں، یہ تمام متاع اور ختم ہوجانے والے دنیا کی زندگی کے Consumables ہیں، اور اللہ ہی کے پاس اس سے کہیں بہتر ٹھکانہ اور سامان موجود ہے''۔

ایک علیحدہ Frame of Reference کے ذیل میں ہمارے رب نے ایک ہزار سال کے برابر ایک دن کا موازنہ کرتے ہوئے ایک اور Frame of Reference سے ہمیں متعارف کراتا ہے، جس کی حقیقت سے بس وہی واقف ہے، یعنی آخری آسمانی کتاب کی سورۂ معارج میں ہمیں ایک دن کے پچاس ہزار سالوں کے برابر ہونے کی خبر بھی دی گئی ہے: ''عروج پاتے ہیں فرشتے اور الروح، اللہ کی طرف، ایک دن میں، جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے''۔

دونوں آیات میں وقت کو Percieve کرنے والے اُمور الگ الگ ہیں، ان آیات سے ''وقت کی اِضافیت'' یا Relativity of Time واضح ہے، چودہ سو سال قبل ہی ''وقت'' کی حقیقت پر سے پردہ اُٹھایا گیا تھا، چودہ سو سال بعد آج سائنس، ترقیوں کے ایک بلند مقام پر کھڑی ہے تو اِس کے لیے اِس نے بڑی مشقتیں اُٹھائی ہیں، تب کہیں

جا کر وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ وقت قطعی یا absolute نہیں ہے، بلکہ Relative Perception ہے، جسے رب تعالیٰ نے اپنی کتاب میں چودہ صدیوں قبل ہی بیان فرما دیا تھا، رب تعالیٰ نے سورۂ الکہف میں بھی اصحاب کہف کی تین سو نو برس کی نیند کا تذکرہ کر کے انسانی ذہن کو نہ صرف چونکا دیا تھا بلکہ دعوتِ غور وفکر بھی دی تھی اور باور فرما دیا تھا کہ وہ نہ وقت کے کسی تصور سے بندھا ہوا ہے، نہ خلاء کے کسی گوشۂ دوراز کار میں سکونت پذیر ہے نہ کائنات کے کسی حصار میں محصور ہے، اِس کے برخلاف اِنسان کو خداوند قدوس نے کرۂ ارض کی گردش سے پیدا ہونے والی وقت کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے، جس سے فرار ممکن نہیں، ربِّ جلیل کا اِنسانوں کے نام یہ چیلنج ملاحظہ ہو جسے سورۂ رحمٰن میں پیش کیا گیا ہے: ''اے تمام کے تمام انسانوں اور جنا تو! اگر تم میں طاقت ہو، تو زمین اور آسمان کے کناروں سے نکل بھاگنے کی کوشش کر کے تو دیکھو، نہیں بھاگ سکتے تم، چاہے جتنا بھی زور لگا لو''۔

نظریۂ اِضافیت یا Theory of Relativity کی مذکورہ تفصیل سے قارئین پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہو گی کہ کسی ایک محل وقوع یا ریفرنس فریم میں جو وقفہ ایک بلین سالوں پر مشتمل ہو گا، وہی وقفہ کسی دوسرے محل وقوع یا ریفرنس فریم میں ایک سیکنڈ کے برابر ہو سکتا ہے، ہمارا دماغ جب یہ سوچتا ہے کہ آنے والے ایک کروڑ سال میں جو واقعات رونما ہوں گے وہ کسی کو معلوم نہیں، تو تب ہمارا ایمان پکار اُٹھتا ہے کہ مستقبل کا ایک ایک پل اللہ رب العالمین کے علم میں ہے اور اب تو حال یہ ہے کہ سائنس بہ بانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ Theory of Relativity کی رو سے رب تعالیٰ کے لیے ماضی، حال اور مستقبل تمام یکساں ہیں؛ کیونکہ وہ نہ تو Time Bound ہے اور نہ وہ Space Bound ہی ہے، وہ ہر حال میں، ہر دور میں، ہر زمانے میں، ہر واقعہ پر خود حاضر اور گواہ ہے، ظاہر ہے جو وقت کا خالق ہو، وہ وقت کے Perception کے دائرے میں کیسے رہ سکتا ہے، اُسے تو وقت کے ماحول سے کہیں پرے ہی ہونا چاہیے، رب تعالیٰ کی اپنی شان خود اُسی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو، سورۂ الحدید میں ہے: ''وہی اللہ اول بھی اور آخر بھی، وہی ظاہر بھی اور وہی باطن بھی اور وہ ہر چیز کی ہر لمحہ معلومات بھی رکھتا ہے''۔

اس لئے کہ آسمان اور زمین، اجرام فلکی، بلکہ ساری کائنات اُسی کے حصارِ بادشاہت میں محصور ہے، ہر ذرۂ کائنات پر بس اُسی کا حکم چلتا ہے، کیونکہ وہی خالق بھی ہے، مالک بھی اور حاکم بھی ہے، جیسا کہ اُس نے خود سورۂ انعام میں فرمایا ہے: ''اور اسی اللہ (کی بادشاہت) ہے آسمانوں اور زمین میں بھی، وہی جانتا ہے تمہارے پوشیدہ اور تمہارے ظاہر کو، اور وہ باخبر ہے کہ تم کیسی کمائی کر رہے ہو''۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا: ''......اُس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو Covering میں لے رکھا ہے اور ان دونوں کی حفاظت اس کے لئے کوئی مشکل کام یا گراں گزرنے والی چیز نہیں ہے اور وہ نہایت اعلیٰ، نہایت عظمت والا ہے''۔

اس قدر عظیم اور طاقتور رب کے مقابلہ میں ہم جیسی مخلوق کی کیا بساط، وہی تو ہے جس کی کائنات میں ہر طرف نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، جس شے پر بھی غور کیجیے گا تو اُس کی نشانیوں اور کمالات کی بے شمار پرتیں نظر آئیں گی اور ہر پرت بے شمار پرتوں کے اندر دکھائی دے گی، ہماری مختصر سی زندگی تو کیا، بلکہ زمانوں کے لیے بھی ممکن نہیں کہ اُس کے کمالات کا احاطہ کر سکیں، ہمارا تو حال یہ ہے کہ ہم ایک نہایت ہی مختصر وقت کے لیے یہاں آئے ہوئے ہیں۔

ہماری کیا مجال کہ ہم اُس سے بے نیاز ہو کر جئیں، ربِّ کائنات سے بے نیازی کے بطن سے غرور و تکبر ہی کی خصلتیں جنم لیتی ہیں جو اللہ کو مطلق پسند نہیں: سورۂ انبیاء میں فرمایا: ''ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، اور ہم تمہیں اچھے اور برے حالات سے آزماتے رہتے ہیں، اور ہماری ہی طرف تم سب کا رجوع ہے''۔

سورۂ حدید میں ہے: ''نہیں آتی زمین پر کوئی بھی آفت، اور نہ کوئی مصیبت، مگر وہ تمام ریکارڈ میں درج ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ ۳۰ پر......)

دعوت دین

امت مسلمہ اور اس کی ذمہ داریاں

ابوعبداللہ ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۲۴؍دسمبر ۲۰۱۰ء بروز جمعہ مرکز کی جامع مسجد میں نمازیوں کے درمیان ہوا، اس کی افادیت کے پیش نظر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

انسان کو اشرف المخلوقات بنایا:

اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اس کے لئے سب سے اچھا لفظ استعمال کیا، ان انسانوں میں کچھ ایسے اللہ کے بندے ہیں جنھوں نے اللہ کو مانا، اللہ کی وحدانیت کے گن گائے، اللہ کی یکتائیت اس کے ایک ہونے کو اور کائنات کے اندر اس کے عمل اور دخل بلکہ کائنات کی پیدائش، کائنات کے نظام کو چلانے کو اسی کے حوالے سے جانا اور یہ سمجھا کہ اللہ ہی خالق، اللہ ہی مالک، اللہ ہی رازق، اللہ ہی آمر، اللہ ہی مدبر، اللہ ہی مفکر اور اللہ ہی اس پورے نظام کو چلانے والا ہے ''الا لہ الخلق والامر'' اسی نے کائنات کو پیدا کیا اور وہی کائنات کے نظام کو چلاتا ہے۔

ایک طبقہ جنت میں ایک جہنم میں:

اسی لئے اللہ نے ''فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ'' بھی قرآن کریم میں فرمایا کہ جس طبقہ نے اس بات کو مانا، اس بات کا اقرار کیا، وہ جنت کا مستحق قرار پایا اور جس طبقہ نے اور جس جماعت نے اس بات کا انکار کیا وہ جہنم کا مستحق قرار پایا، لیکن جس جماعت نے اس بات کا اقرار کیا اور مانا اس کی ذمہ داری ڈبل ہوگئی، ڈبل اس اعتبار سے ہوگئی کہ اللہ نے اس کو سمجھایا کہ تو نے مجھ کو سمجھا، تو اس نے کہا کہ یا اللہ سمجھ گیا، جب اس نے کہا کہ یا اللہ سمجھ گیا۔

ہماری ذمہ داری:

اب اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ اللہ کو، اللہ کی وحدانیت کو، اللہ کے کبیر اور عظیم اور اکبر اور اعظم اور سب سے بڑے ہونے کو ثابت کرے، پوری دنیائے انسانیت کو بتلائے کہ اللہ ایک ہے، اللہ ہی نے اس نظام کو بنایا، اللہ ہی نے اس نظام کو چلایا، وہی اس زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا اور وہی کائنات کے اندر جتنے بھی نظام ہیں، جتنی بھی کہکشائیں ہیں، اور جتنے بھی ستارے، سیارے اور سیارچے ہیں اور جتنی بھی پورے آسمان کے اندر اس سلسلہ کی چیزیں ہیں، ساری کی ساری اللہ تعالی نے بنائیں، اب لوگوں کو بتلایا جائے کہ تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ دنیا کے اندر جو خرافات ہورہی ہیں، دنیا کے اندر جو اللہ کے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں، جو ''الضَّالُّونَ عَنِ الطَّرِيقِ'' ہیں، جو گم گشتہ راہ ہیں، جو راہ بھٹکے ہوئے ہیں، جنھوں نے راستہ کو چھوڑ دیا ہے وہ اندھیرے کے اندر ٹامک ٹوئیاں مارتے پھر رہے ہیں، ان کی انسانیت کی کشتی بھنور میں ہے، ان کی کشتی کو کنارے پر لانا ہے، جو اندھیرے کے اندر ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، ان کو اجالے کے اندر لانا ہے، یہ ذمہ داری ان کی بن جاتی ہے، جو لوگ اللہ تبارک وتعالی کی اس دنیا کے اندر نیابت کررہے ہیں، اللہ کے پیغمبروں کی نیابت کررہے ہیں، جنھوں نے اللہ کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہونے کا اور جگت گرو ہونے کا، رحمۃ للعالمین ہونے کا، اتم مہارشی ہونیکا، لاسٹ پروفیٹ (LastProphet) ہونے کا اقرار کیا ہے، ان سب کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

ایک صحابی کا رستم کے دربار میں اعلان حق:

جیسا کہ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی ہیں، انہوں نے اس وقت کی سپر ایمپائر Super Empire کے سامنے کہا تھا، جس طرح اب امریکہ کی طاقت ہے، اور اس سے پہلے روس کی تھی، اس وقت اسی طرح رستم کی طاقت

تھی ، رستم سپہ سالار تھا ایران کا ، اس کی حکومت کے اندر ، اس کے محل کے اندر ، اس کے دربار کے اندر ، جب رستم نے پوچھا ملا جی ! کیا لے کر آئے ہو ، کیسے تشریف لانا ہوا ؟ تو انہوں نے بیانگ دہل ، بڑے اعتماد کیساتھ ، پورے فخر کیساتھ ، پورے وقار کے ساتھ ، پورے اہتمام کے ساتھ ، پوری جوانمردی کے ساتھ ، پوری دلاوری کے ساتھ ، پوری بردباری کے ساتھ ، پورے حلم کے ساتھ ، پوری حقانیت کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ "اَللّٰہُ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ اِلٰی عِبَادَةِ اللّٰہِ وَحْدَہٗ ، وَمِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا اِلٰی سَعَتِھَا وَالْآخِرَۃِ ، وَمِنْ جَوْرِ الْاَدْیَانِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ " یہ اعلان انہوں نے کیا کہ اللہ نے ہم کو برپا کیا ہے "ابتعثنا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اللہ نے ہم کو برپا کیا ھے:

ہم یونہی نہیں آ گئے اس دنیا کے اندر ، اللہ نے ہم کو برپا کیا ہے ، اللہ نے ہم کو بھیجا ہے ، اللہ نے ہماری ذمہ داری لگائی ہے ، اللہ نے ہماری ڈیوٹی لگائی ہے ، دنیا میں کسی بڑے کام پر ، کسی بڑے استقبال پر ، کسی بڑی کانفرنس کے اندر ، یا کسی بڑے اجتماع کے اندر اگر کسی کو خاص بلا دیکر ، کسی کو خاص علامت دے کر ، اس کو استقبال (Reception) پر اور جہاں پر سواگت کیا جاتا ہے ، وہاں کھڑا کر دیا جائے ، تو وہ دیکھتا ہے ، اپنے اعزاز کو کہ دیکھو میں استقبال کر رہا ہوں اور مجھ کو مالک نے ، سیٹھ صاحب نے ، ذمہ دار نے یہ عزت اور یہ مقام دیا ہے کہ میں لوگوں کا استقبال کروں ، اس کو وہ اپنے لئے فخر سمجھتا ہے ، شان سمجھتا ہے ، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے حقارت سے نہیں اور احساس کمتری کے ساتھ نہیں بلکہ پورے استقلال ، پورے عزم ، پوری ہمت کے ساتھ ، پوری طاقت کیساتھ یہ اعلان کیا کہ اللہ نے ہم کو برپا کیا ہے۔

ھمارا کام بھٹکے ھوئے لوگوں کو راہ راست پر لانا ھے:

اس کام کے لئے کہ ہم نکالیں لوگوں کو جو خرافات میں پھنسے ہوئے ہیں ، جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں ، جو دوسرے معبودوں کے سامنے سر جھکاتے ہیں ، جنہوں نے حقیقی معبود کو چھوڑ رکھا ہے ، جو ایک اللہ کو نہیں مانتے ہیں ، جنھوں نے سیکڑوں خدا بنا رکھے ہیں ، جنھوں نے بارش کا خدا الگ بنا رکھا ہے ، ہواؤں کا خدا الگ بنا رکھا ہے ، روزی کا خدا الگ بنا رکھا ہے ، ہم ان تمام خداؤں سے ایک خدا کی طرف سب کو دعوت دینا چاہتے ہیں اور ایک خدا کی طرف بلانا چاہتے ہیں ، یہ پیغام (Massage) ہم خدا کی طرف سے لے کر آئے ہیں ، یہ پیغام ہم اللہ کی طرف سے لیکر آئے ہیں ، یہ ہمارا پیغام ہے ، ہم آپ کے دربار میں ضرور ہیں لیکن ہمارا یہ پیغام ہے اور ہم اس پر دعوی نہیں کرتے کہ ہم جس کو چاہیں پکڑ کر نکال دیں ، نہیں ، بلکہ اللہ جس کو چاہے ، کوشش ہم کریں گے ، محنت ہم کریں گے ، ڈیوٹی اللہ نے ہماری لگائی لیکن نکلیں گے وہی جن کو اللہ چاہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے چچا کو کلمہ کی دعوت دینا:

بیچ میں ایک واقعہ یاد آ گیا اس کو بتلاتا چلوں ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے آخری وقت میں اور کہا کہ اے میرے چچا تم نے میرے ساتھ میں اتنی ہمدردی کی ، تمہارا ایک وقار ہے ، تم چپکے سے میرے کان میں کلمہ پڑھ لو تا کہ کل قیامت کے دن تمہارا کام بن جائے اور میں تمہارا سفارشی بن جاؤں ، اور تم جنت کے مستحق بن جاؤ ، کہا کہ بیٹے اب آخری وقت ہے ، بڑھاپا ہے ، لوگ کیا کہیں گے کہ دیکھو ابوطالب نے بھتیجے کے چکر میں آ کر اپنا دین چھوڑ دیا اور محمد کے دین پر آ گیا ، باغی ہو گیا ، مرتد ہو گیا ، نافرمان ہو گیا ، بیٹا یہ داغ مجھ سے برداشت نہیں کیا جا سکتا ، یہ نہیں میں کر سکتا ، فوراً اللہ تعالی کی غیرت جوش میں آتی ہے ، اللہ تعالی جلال میں آ جاتے ہیں اور قرآن کریم کی آیت نازل فرماتے ہیں "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ" اے محمد ! ٹھیک ہے تیرا چچا ہے ، ٹھیک ہے تیرے ساتھ قربانی دی ہے ، ٹھیک ہے اس نے تیرے ساتھ ہمدردی کی ہے ، ٹھیک ہے اس نے تیرے ساتھ جو کچھ کیا ہے ہم جانتے ہیں ، مگر ہدایت دینا تیرا کام نہیں ہے ، تیرا کام پیغام پہنچانا ہے ، ہدایت جس کو ہم چاہیں گے اس کو ملے گی ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کو بچانا چاہ

رہے تھے جہنم کی آگ سے، مگر اللہ کو جوش آ گیا، اللہ کی غیرت کو جوش آ گیا کہ نہیں تیرا کام تو پیغام پہنچانا ہے، ہدایت دینا ہمارا کام ہے۔

ایک اللہ کی طرف دعوت:

چنانچہ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے رستم کے دربار میں پیغام پہنچایا، دعوی نہیں کیا، بلکہ کہا کہ ہم نکالیں گے اس کو جس کو اللہ چاہے گا "نُخرِجُ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ اِلیٰ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَحْدَهٗ" جو لات، عزی، منات اور طرح طرح کے بت اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں معبود بنائے ہوئے ہیں، اور جیسا کہ ہندوؤں کے یہاں تین سوتیس ملین (۳۳۰) ملین بھگوان ہیں، ان تمام معبودان باطل اور بھگوانوں کو چھوڑ کر ایک اللہ کی طرف لانا چاہتے ہیں۔

دنیا کی تنگی سے نکالنے کی دعوت:

اور دنیا کی جو تنگی ہے، دنیا کو جو تم لوگوں نے تنگ بنا رکھا ہے، اس دنیا کی تنگی سے ہم وسعت کی طرف لانا چاہتے ہیں، دنیا کی بھی وسعت اور آخرت کی بھی وسعت، آپ تصور کر سکتے ہیں، یہ شاید آپ کو سمجھ میں نہ آئے، یہ بات اس وقت سمجھ میں آئے گی جب کسی عالیشان محل میں آپ بیٹھے ہوں، کسی وزیر کی کوٹھی پر بیٹھے ہوئے یا کسی ایم پی یا ایم ایل اے کے بڑے محل کے اندر بیٹھے ہوئے ہوں، اس وقت یہ بات آپ کی سمجھ میں آئے گی کہ حضرت ربعی بن عامر رستم کے دربار کے اندر یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم دنیا کی تنگی سے نکالنے کے لئے آئے ہیں، وہ سوچ رہے تھے کہ ملاجی کیا بات کہہ رہے ہیں کہ دنیا کی تنگی، ہم اتنی مستی میں ہیں، اوپر والے نے سب کچھ دے رکھا ہے، یہ محلات، یہ بنگلے، یہ حکومت، یہ توانائی، یہ طاقت، اشاروں پر ہمارے غلام حاضر، اشاروں پر ہمارے زمین ناچتی ہے، ہمارے اشاروں پر سورج چلتا ہے، یہ ہماری طاقت، یہ ہماری قوت یہ کیسے کہہ رہا ہے کہ دنیا کی تنگی سے نکالنے کے لئے ہم آئے ہیں، آخر کیا چیز ہے، سوچنے پر مجبور ہوئے کہ واقعی کیا بات ہے؟ کہ یہ تو دنیا کی چار دن کی چاندنی پھر اس کے بعد اندھیری رات والی بات ہے: "وَمِنْ ضِیقِ الدُّنیَا اِلیٰ سَعَتِهَا" جو دنیا کی وسعت اور آخرت کی وسعت ہے اس کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔

مذاهب کے جوروجبر سے اسلام کے عدل وانصاف کیطرف دعوت:

اور "وَمِنْ جَوْرِ الْاَدْیَانِ اِلیٰ عَدْلِ الْاِسْلَامِ" جو تم اتنے ادیان، اتنے مذاہب اور اتنی آپ لوگوں نے خرافات اور رسم ورواج اختیار کر رکھے ہیں، اور جو آپ لوگوں نے جکڑ بندی کر رکھی ہے ان سب کو چھوڑ کر ہم تو صرف اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لانا چاہتے ہیں، اور ہم تو صرف ایک راستہ کی طرف لانا چاہتے ہیں، جس کو ہم پانچوں نمازوں میں کہتے ہیں کہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیمَ" اے پروردگار جو راستہ سیدھا ہے، بس وہ دکھادے، ہم تو اس سیدھے راستہ کی طرف تم کو لے جانا چاہتے ہیں، یہ پیغام ہے اس امت کا، یہ منصب ہے اس امت کا، یہ ذمہ داری ہے اس امت کی جس کو یہ ابھی بھولی ہوئی ہے، ہم سب کچھ کرتے ہیں لیکن خود ہم دنیا کی تنگی میں پھنسے ہوئے ہیں، ہم سب کچھ کر رہے ہیں لیکن ہم بندوں کو خدا کی بندگی میں داخل نہیں کر رہے ہیں، ہم اپنا بزنس بھی کر رہے ہیں، ہم اپنا کاروبار بھی کر رہے ہیں، ہم اپنی کاشت بھی کر رہے ہیں، ہم اپنی تجارت بھی کر رہے ہیں، ہم اپنی زراعت بھی کر رہے ہیں، اپنا پڑھنا پڑھانا بھی کر رہے ہیں، دنیا کے جتنے جھمیلے ہیں سب کے اندر لگے ہوئے ہیں، مگر کیا ہم یہ بھی کر رہے ہیں کہ جو لوگ خدا کی بندگی کو چھوڑ کر تینتیس کروڑ بھگوانوں کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں یا دنیا کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں، کیا ان کو بھی خدا کی بندگی کے اندر داخل کر رہے ہیں، یا جو دنیا کی تنگی کے اندر ہیں یا دنیا کی اندھیری کے اندر ہیں کیا آخرت کے اجالے کی طرف ان کو بلا رہے ہیں۔

اللہ کے نزدیک مذهب اسلام هی پسندیدہ مذهب هے:

یہ جو مذاہب اور ادیان کے جھمیلوں کے اندر پھنسے ہوئے ہیں، کیا ہم اسلام کی طرف لا رہے ہیں "اِنَّ الدِّینَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ" حالانکہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی مذہب یا کوئی دین ہے تو وہ صرف اسلام ہے، اب اس کے بعد کوئی دین، کوئی مذہب قبول نہیں "وَمَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ

الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَفِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ" اس راستہ کو چھوڑ کر اگر کوئی اب دنیا میں دوسرا راستہ اختیار کرے گا، دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا، اللہ کہے گا، یہ ہمارے یہاں ہرگز مقبول نہیں، یہ ہمارے یہاں مبرور نہیں، یہ ہمارے یہاں بیکار ہے، یہ ہمارے یہاں (Rejected) مسترد ہے، اسکا ہمارے یہاں کوئی مقام نہیں، وہ تو بڑے گھاٹے میں ہے، دنیا میں بھی گھاٹے میں ہے اور آخرت میں بھی گھاٹے میں ہے، اللہ تبارک وتعالی ہمیں اپنے مقام کو، ہمیں اپنے منصب کو اور ہمیں اپنے درجہ کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں ذمہ داری دی ہے کام کی، پیغام کی، کام کرنے کی، اس کو ہمیں سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہر فرد اپنی ذمہ داری سمجھے کہ میرے ذمہ کیا تھا، اور کیا کرنا چاہئے تھا، نام ہمارا عبداللہ، عبدالرحمٰن، شکیل، جمیل مسلمانوں والا نام، کیا وہ کام ہم کررہے ہیں، یا نہیں، حضرت ربعی بن عامر رستم کے دربار میں کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اللہ نے برپا کیا ہے، یہی بات میں آپ لوگوں سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ نے ہم کو برپا کیا ہے اس دھرتی پر، اس آکاش کے نیچے، اس آسمان کے نیچے تاکہ ہم اللہ تبارک وتعالی کے پیغام کو دنیا تک پہنچائیں۔

اللہ تبارک وتعالی ہمیں اپنے اس مقام کو پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے، اور اللہ کے پیغام کو، اللہ کی وحدانیت کو اور توحید کے اقرار کو، توحید کے اعلان کو پوری امت کے اندر پوری دنیا کے اندر پوری انسانیت کو بتلانے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔

صدقہ جاریہ میں حصہ لیجئے! **اعلان** صدقہ جاریہ میں حصہ لیجئے!

مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں ایک اسلامک سینٹر مرکز الامام ابی الحسن علی الندوی للدعوۃ والبحوث الاسلامیہ کا قیام عمل میں آیا ہے، جس میں دارالافتاء مجلس صحافت اسلامیہ، دارالبحوث والنشر، شعبہ کمپیوٹر، دفتر ماہنامہ "نقوش اسلام" وغیرہ ہوں گے، جس میں مختلف سائز کے کمرے اور ایک وسیع ہال ہے، اس کا مجوزہ نقشہ ٹائٹل پر چھپا ہوا ہے، اس کی تعمیر تکمیل کے قریب ہے، جس پر ۲۵/لاکھ کا خرچ آچکا ہے، کھڑکیوں، دروازوں اور رنگ وروغن کا کام باقی ہے، جس میں پانچ لاکھ کا مزید خرچ ہے، اہل خیر حضرات سے خصوصی گزارش ہے کہ اس کی تعمیر میں حصہ لے کر اپنے لئے صدقہ جاریہ بنائیں، اللہ تعالی معاونین کو دونوں جہاں کی کامیابی وسرخروئی عطا فرمائے۔

ناظم تعمیر وترقی

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

چیک وڈرافٹ پر یہ لکھیں
Markazu Ihyail Fikril Islami Muzaffarabad.
Saharanpur(U.P)Pin.247129. Mob.09719831058
A/C No. 30416183580,S.B.I

Pictures\2012-09-05\Mail0001.JPG not found.

تحریک

امام حسن البناء اور تحریک اخوان المسلمین کی مسلسل آزمائش

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری ندوۃ العلماء لکھنؤ

ہمارے قارئین کی ایک بڑی تعداد (نئی نسل) ایسی بھی ہے جو اس جماعت کے بانی کی جینیس (عبقری) شخصیت، جدید تعلیم یافتہ نسل پر ان کے غیر معمولی اثرات اور کارناموں سے پوری طرح واقف نہیں، ان کی معلومات کا دائرہ موجودہ میڈیا اور مغربی خبر رساں ایجنسیوں کی فراہم کردہ ناقص خبروں تک محدود ہے، اسی طرح ۱۹۵۲ء سے لیکر ۲۰۱۱ء تک مسلسل ہنگامی حالات اور فوجی استبداد کے بعد جمہوری طرز پر منعقد انتخابات کے نتیجہ میں ایک جمہوری حکومت کے قیام، پھر صرف ایک سال کے اندر محمد حسنی مبارک کے دور کے وزراء وحکام، تجار وقضاۃ، شہری زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی فوج اور پولیس نیز لبرل اور ملحد وبے دین عناصر نے کس طرح غنڈہ گردی، رہزنی اور سی آئی اے اور موساد کے ایجنٹوں کے تعاون سے مصری فوج کے سربراہ سیسی نے حکومت کا تختہ پلٹ دیا اور جمہوری طور پر صاف شفاف انتخابات کے ذریعہ قائم حکومت کے صدر محمد مرسی کو قید وبند میں ڈالدیا، پھر جب پرامن مظاہرین نے لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوکر صدر مرسی کی بحالی کا مطالبہ کیا تو انتہائی سفاکی اور درندگی کا معاملہ کرتے ہوئے چھ ہزار سے زائد بے گناہ مردوں، خواتین حتی کہ معصوم بچوں کو بھی قتل کردیا گیا، پچاس ہزار سے زائد زخمی ہوگئے، بلڈروزوں سے ان کو کچلا گیا، مسجدوں کو جلایا گیا، ان سے متصل ہسپتال، اس میں موجود دواؤں کے اسٹور حتی کہ مریضوں کو جلانے کی پوری کوشش کی گئی، برطانوی وامریکی میڈیا کا کہنا ہے کہ اس طرح کے ہولناک واقعات ان نامہ نگاروں نے بھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھے جو جنگی واقعات کی نامہ نگاری کرتے ہیں، لیکن ہندوستانی میڈیا حتی کہ اردو میڈیا مصری حکومت کے جھوٹے بیانات ہی کو جگہ دیتا رہا، یہ تأثر بھی مسلسل دیا جاتا رہا کہ مظاہرین اسلحے سے لیس ہیں اور امریکہ کی پشت پناہی میں ایسا کیا جارہا ہے۔

ہم یہاں انتہائی اختصار سے ''اخوان المسلمین'' کے بانی حسن البناء اور ان کی طاقتور تحریک کے عالم عربی پر غیر معمولی اثرات کا جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہماری نئی نسل اس سے واقف ہوسکے، جو حضرات تفصیل سے اخوان کے حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ مصری مصنف شوقی ذکی کی مرتب کردہ کتاب ''اخوان المسلمین'' کا مطالعہ کریں جس کا ترجمہ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی نے اردو میں کیا ہے، انہیں کے قلم سے ایک فاضلانہ پراز معلومات مقدمہ بھی ہے، جو ان کے ذاتی تجربات اور مشاہدات اور اخوانی قیادت کے اہم ارکان سے ذاتی تعلقات پر مبنی ہے، اس کے علاوہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مضمون ''حسن البناء-ایک مثالی شخصیت'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

حسن البناء ایک دیندار، علمی گھرانے میں ۱۹۰۶ء میں اسماعیلیہ شہر کے قریبی علاقہ محمودیہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد احمد عبدالرحمٰن ممتاز عالم، محدث اور متعدد احادیث کے مجموعوں کے محقق تھے، سن بلوغت سے پہلے ہی سے حسن البناء کو عبادت کا بڑا شوق تھا، وہ رجب، شعبان اور رمضان کے روزے پابندی سے رکھتے تھے، بچپن ہی سے دعوتی اور اصلاحی کاموں سے دلچسپی لیتے تھے، دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کے تمام مراحل امتیازی نمبروں سے پاس کرکے مختلف مقامات پر تدریس کے ساتھ دعوت کا کام بھی کرتے تھے، ۱۹۲۸ء میں حسن البناء نے تحریک اخوان کی بنیاد ڈالی، بہت جلد یہ تحریک پورے ملک میں پھیل گئی، اس لئے کہ اس نے مصریوں کی اخلاقی زندگی پر بڑا اثر ڈالا، حسن

البناء نے صنعت وتنظیم کی طرف توجہ کی اور اپنے رفقاء کے تعاون سے صنعت وتجارت کے میدان میں قدم رکھا، ۱۹۳۹ء میں اخوان نے چار ہزار مصری پونڈ کے سرمایہ سے ایک اسلامی کمپنی قائم کی ، جس میں اخوانیوں نے حصہ لیا،اس کی مقبولیت کو دیکھ کر اس کا سرمایہ بیس ہزار پونڈ کر دیا گیا،اس کمپنی نے ٹرانسپورٹ کی سروس قائم کی ،پیتل کی ایک بہت بڑی فیکٹری قائم کی جوگیس چولہے اوراس کے پرزے بناتی تھی،اس کمپنی کی مصنوعات نے نہ صرف ملک کے اندر بلکہ تمام عرب ممالک میں مقبولیت حاصل کرلی،دوسری کمپنی ۱۹۴۷ء میں عربی کان کنی کمپنی کے نام سے سات ہزار پونڈ کے سرمایہ سے قائم کی گئی،بعد میں دونوں کمپنیوں کوایک دوسرے میں ضم کرکے دس فیکٹریاں قائم کی گئیں، یہ فیکٹریاں سیمنٹ، پتھر، سنگ مرمر کے تراشنے کی مشینیں تیار کرتی تھیں، ۱۹۴۸ء میں اخوان نے ٹکسٹائل ملز قائم کئے جس کی مصنوعات نے نہ صرف مصر بلکہ عالم عربی میں برطانوی اور فرانسیسی کپڑا صنعت کو زبردست نقصان پہنچایا، برطانوی سفیر نے اس کمپنی کے خلاف مصری حکومت میں شکایت کردی، برطانوی کپڑا صنعت کو غیر معمولی نقصان کی وجہ سے حکومت پر دباؤ ڈال کر کارخانے کو بند کردیا گیا،اخوانیوں نے میڈیا کے میدانوں میں قدم رکھا، چنانچہ ایک بڑا پریس قائم کرکے متعدد رسالے،اخبارات نکالے گئے ،ان میں ایک روزنامہ، دوہفت روزہ، ایک ماہنامہ نکالے گئے،ان رسائل واخبارات کے علاوہ ''مجلۃ الدعوۃ''، ''منبر الشرق'' اور ''المسلمون'' بھی شائع ہوکر ذہن سازی میں اپنا کردار ادا کرتے رہے، شعبہ تصنیف کے ذریعہ بچوں،نوجوانوں اورخواتین کے لئے کتابیں تیار کرکے شائع کی جاتی تھیں،حسن البناء کی شہادت تک مختلف علمی،ادبی، تحقیقی اور دعوتی وتربیتی موضوع پر دوسو کتابیں تیار کی گئیں،اخوان نے دینی واخلاقی تربیت کی طرف بھی توجہ کی،عقیدہ کی اصلاح، اخلاق ومعاملات کی درستگی، نماز، روزے، حج، زکوۃ کی ادائیگی کا غیر معمولی اہتمام کیا جاتا تھا،عام طور پر اخوان سے تعلق رکھنے والے ورع وتقوی، زہد وقناعت اور ایثار وقربانی کی روح کے حامل تھے، ان کی اس پختہ تربیت اور دین سے مخلصانہ تعلق کا اثر تھا کہ ناصر کے دور میں غیر معمولی مظالم کے باوجود وہ ثابت قدم رہے، اخوان سے تعلق رکھنے والے داعیوں اور اس کے ممتاز علماء کوتختہ دار پر لٹکایا گیا مگر ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لغزش نہیں ہوئی، پھران پر انعامات کی بارش ہونے لگی،اعلی مناصب پیش کئے گئے مگر وہ ثابت قدم رہے، یہ ہولناک سلسلہ (مظالم) ۱۹۴۹ء سے اب تک جاری ہے،اورنہیں معلوم کہ اس کی انتہا کب ہوگی اور ''متی نصر اللّٰہ'' کا مژدہ جانفزا کب ملے گا،حسن البناء کی شہادت کے بعد سے اخوان کی یہ تیسری نسل ہے، جو اپنے مرشد کے ساتھ کئے ہوئے عہد پر قائم ہے۔

"رِجَالٌ صَدَقُوا مَاعَاهَدُوااللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَابَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا'' مردوں کی طرح اخوان نے خواتین کے لئے بھی نظام تعلیم وتربیت کی طرف توجہ کی، تعلیم بالغان، سوسائٹی میں سماجی اور رفاہی کاموں کی طرف توجہ، بے گھر لوگوں کو مکان مہیا کرنا،طبی مقاصد کے لئے ہسپتال اوران میں مریضوں کو مفت دوا اور علاج کی سہولتیں فراہم کرنا،عصری ودینی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی نصرت، بیواؤں اور یتیموں کی خبرگیری کے مراکز،ڈاکٹروں اورانجینئروں کی خدمات سے معاشرہ کوفائدہ پہنچانا،عرب ملکوں کے عوام وخواص سے خصوصی تعلق قائم کرنا، غیر مسلموں خصوصاً مصر میں موجود قبطی عیسائیوں سے روابط اور دینی دعوت کوان تک پہنچانا،عیدین اورقومی مناسبات کے مواقع پر ان سے اجتماعی ملاقات، سرکاری محکموں میں کام کرنے والے افسروں سے روابط، ان کو دینی وتربیتی کاموں میں مدعوکرنا، دیہاتوں میں کسانوں کے حالات سے واقفیت، زراعت میں ان کی مدد، سبزی اور پھلوں کی پیداوار کے لئے انہیں مشورے دینا،غرضیکہ زندگی کے مسائل ومشکلات کا سامنا اورانہیں حل کرنا اورحرفت وصنعت کے میدان میں ضرورت مندوں کی مالی مدد، یہ وہ کام تھے جن سے اخوان نے سخت ترین آزمائشی دور میں بھی غفلت نہیں برتی، اس بنا پر اخوان کی جڑیں مصری معاشرہ میں بہت گہری اور مضبوط ومستحکم ہیں۔

حسن البناء کی شہادت کے بعد جو قیادت سامنے آئی، ان میں سابق چیف جسٹس حسن الہضیبی ہیں جنہوں نے ۱۹۵۱ء سے ۱۹۷۳ء تک زیر زمین جماعت کی قیادت کی، ۱۹۷۳ء سے ۱۹۸۰ء تک استاد عمر التلمسانی نے جیل سے رہائی کے بعد اخوان کی قیادت کی، ان ہی کے دور میں اخوان نے محدود پیمانے پر سرگرمی شروع کی، اس لئے کہ انور السادات کے دور میں اخوانیوں کو پوری آزادی حاصل نہیں تھی، پھر بھی انہوں نے ایک سو چار کمپنیاں اور کارخانے قائم کئے جو اپنے حصہ داروں کو تیس سے چالیس فیصدی منافع دیا کرتی تھیں، مگر حسنی مبارک کے دور میں یہ تمام کمپنیاں یہودی سرمایہ داروں کے ہاتھ اونے پونے فروخت کردی گئیں، تلمسانی کی وفات کے بعد استاد حامد ابونصر نے ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۶ء تک اخوان کی قیادت سنبھالی، ان کے نائب مصطفیٰ مشہور رہے، جو بعد میں مرشد عام بنائے گئے، مصطفیٰ مشہور نے قاہرہ یونیورسٹی سے مائیکرولوجی میں گریجویشن کیا تھا، حسن البناء کو چھوڑ کر باقی قائدین نے اخوان کے زیر سایہ دینی علوم میں مہارت کے ساتھ اعلیٰ اخلاقی تربیت حاصل کی، اس راقم نے قاہرہ کے زمانہ قیام میں استاد التلمسانی، مصطفیٰ مشہور اور صالح عشماوی سے ''الدعوۃ'' کے دفتر میں متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل کیا، ان میں سے عمر تلمسانی نے بیس سال اور مصطفیٰ مشہور نے مجموعی طور پر انیس سال قید و بند میں گزارے، یہ ساری مدت مسلسل عذاب میں گزرے، ہماری درخواست اور بڑے اصرار پر اپنے ہاتھ اور پشت کھول کر دکھائے جو شدید ضرب کی وجہ سے سیاہ پڑ گئے تھے، بعض مقامات گوشت کو نوچنے کی وجہ سے سفید ہو گئے تھے، سوال کئے جانے پر ''الحمدللہ'' کہا اور اس آزمائش پر اللہ تعالیٰ کا دل کی گہرائیوں سے اس طرح شکر ادا کرتے تھے جیسے کوئی لذیذ غذا کھا کر شکر کرتا ہے۔

حامد ابوالنصر کے دور میں اخوان نے مصری معاشرہ میں دوبارہ اپنے وجود کو پوری طرح تسلیم کرانے کی کامیاب کوشش کی، مختلف پیشہ ورانہ تنظیموں، یونیورسٹی کے تدریسی عملے اور قومی اداروں میں وہ پہلے کی طرح داخل ہوئے، چنانچہ اپریل ۱۹۸۷ء میں اخوانیوں نے دونئی سیاسی پارٹیوں ''حزب العمل'' اور ''حزب الاحرار'' کے ساتھ معاہدہ کر کے مصری پارلیمنٹ کے انتخابات میں ۳۶ر نشستیں پہلی بار حاصل کرلیں، اس کے نتیجہ میں پارلیمنٹ میں اپوزیشن کی قیادت اخوان کو حاصل ہوگئی۔

۱۹۹۰ء کے عام انتخابات میں حکمراں پارٹی کے ہنگامی قوانین کے تسلسل، منصفانہ اور آزادانہ انتخابات کی گارنٹی نہ ہونے کے موضوع پر مخالفت پارٹیوں کے تعاون سے اخوان نے الیکشن کا بائیکاٹ کیا، لیکن لوکل باڈیز کے انتخابات میں انہیں خاصی کامیابی ملی ۱۹۹۳ء میں حسنی مبارک کے تیسری بار صدارتی منصب کے لئے کھڑے ہونے کی اخوان نے مخالفت کی تو وہ پھر حکومت کے انتقام کا نشانہ بنے، نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف الزامات میں اخوان کی پوری قیادت کو جیلوں میں ڈال دیا گیا، ۲۰۱۱ء میں خود مبارک کے لوگوں نے مخالفت کی زبردست مہم چلائی، اس میں ان کے ذاتی مفادات تھے، عوامی مخالفت بھی ظاہر ہونے لگی، اخوان نے محتاط رویہ اختیار کیا، آخر میں ان پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ بھی شریک ہوں، اس موقع پر حمدین صباحی اور شفیق و برادعی لبرل رجحانات اور استبداد سے چھٹکارا پانے کے نعرے کے ساتھ اخوان دینی ودعوتی عزائم کے ساتھ سامنے آئے، یہی مقاصد آخر تک ان کے پیش نظر رہے، یہاں تک کہ صاف شفاف اور آزادانہ انتخابات نے اپنا فیصلہ سنا دیا، محمد مرسی نے مصر کو خاص طور سے اور عالم اسلام کو عام طور سے مغربی استعمار سے آزادی دلانے کی بھرپور کوشش کی مگر ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

شیخ الازہر نے محمد مرسی کا تختہ پلٹنے والوں کو دھمکی دی ہے کہ اگر انہوں نے اخوانیوں کو رہا نہیں کیا تو وہ اعتکاف میں چلے جائیں گے، چنانچہ واقعی اپنے کہنے پر انہوں نے عمل کیا اور اس وقت تک اعتکاف سے باہر نہیں آئے جب تک کہ چھ ہزار اخوانی مصری فوج کے ہاتھوں تہہ تیغ نہ ہوگئے، پھر آپ امریکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو خبردار کیا کہ وہ مصر کی امداد بند نہ کرے اور مصری فوج کو وہ اسلحہ دیتا رہے، جس سے

اخوانیوں کوٹھکانے لگانے میں آسانی ہو، آپ کے بیان کے بعد ہی مصری اخبارات اور مغربی میڈیا نے ایسے کارٹون شائع کئے جن میں ان کواخوانیوں پر ایسے اسلحہ سے فائرنگ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، جس پر Made in U.S.A لکھا ہوا ہے، شیخ الازہر کوفوج کی ترجمانی کی بنا پر شیخ العسکر (فوجیوں کے شیخ) بھی کہا جارہا ہے، موصوف نے اسلامیات کی پوری تعلیم سوربون یونیورسٹی پیرس میں حاصل کی ہے اور دس سالہ تعلیمی مدت پیرس کے ایک مسیحی خاندان میں گزاری ہے، یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ اس خاندان کے لوگ شراب نوشی کرتے تھے یا نہیں، شیخ العسکر جب پیرس سے تشریف لائے تو ان کی روشن خیالی سے متأثر ہوکر حسنی مبارک نے انہیں مفتی الدیار المصر یہ بنادیا، اس پوری مدت میں مغربی لباس زیب تن فرماتے تھے، پھر انہیں الامام الاکبر یعنی شیخ الازہر بنادیا گیا، ان کے قریب ودور لوگوں کا کہنا ہے کہ آج تک آپ نے امام اکبر ہوتے ہوئے بھی کسی نماز حتی کہ جمعہ وعیدین کی بھی امامت نہیں فرمائی، اور نہ ہی وعظ ونصیحت کے قریب گئے، وہ مبارک کی پارٹی ''الحزب الوطنی'' کے سیاسی شعبہ کے ممتاز ارکان میں تھے، شیخ الازہر بنتے ہی انہوں نے ازہری طلبہ واساتذہ کے دینی رجحانات کے متعلق ایک مفصل رپورٹ محکمہ سی آئی ڈی کے سپرد کردی جس کے بعد بڑے پیمانے پر اساتذہ وطلبہ کوگرفتار کیا گیا، موصوف نے حسنی مبارک کی حمایت میں پہلے مرحلہ میں فتوی دیا کہ حکمراں کے خلاف خروج بغاوت کے دائرہ میں آتا ہے، پھر جب مبارک کا زوال ہوگیا، تو ارشاد فرمایا کہ ہم انقلاب کے حامی تھے، پھر جب محمد مرسی کی منتخب حکومت کے خلاف فوج نے تختہ پلٹا تو شیخ العسکر نے بھی بیان پلٹ دیا، ان ہی کے قریبی ساتھی مصر کے سابق مفتی علی جمعہ نے تو یہ فتوی دیدیا کہ اخوان باغی اور خوارج کی طرح ہیں، وہ واجب القتل ہیں، فوج میں انہوں نے اس موضوع پر تقریر بھی کی، ان کے فتوی پر ایک فوجی نے عمل کرتے ہوئے ۸۰؍اخوانیوں کوقتل کردیا، اس عمل کے بعد اس کے ضمیر نے ملامت کی، پھر اس کی نیند اڑ گئی، اس نے علی جمعہ سے جب شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، تم ہم سے ملاقات کروگے تو ہم تمہاری پیشانی اور ہاتھ کو بوسہ دیں گے، یہ تو ازہر شریف کا نمایاں کردار رہا۔

مغربی میڈیا اور یورپ وامریکہ کے نامہ نگار یہ برابر لکھ رہے ہیں کہ اخوان کا مظاہرہ ہر طرح سے پرامن تھا، ان کے پاس صرف قرآن مجید، تسبیح اور مصلّی کے علاوہ کچھ بھی نہ تھے، ایسے پرامن لوگوں کونماز، تلاوت اور ذکر کی حالت میں کیوں مارا گیا؟ معصوم بچوں، سولہ سترہ سال کی بچیوں پر گولیاں کیوں چلائی گئیں؟ ان کی عزت وعصمت کوتارتار کیوں کیا گیا؟ موساد کے ماہر نشانہ باز خصوصی طور سے مدعو کئے گئے، مصری عیسائیوں کی نشاندہی اور تعاون سے چن چن کر کے اخوانیوں کواس طرح مشین گنوں، ہوائی بمباری، زہریلی گیسوں سے مارا گیا کہ مغربی میڈیا کے نامہ نگار بھی چیخ اٹھے اور یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ ہم نے ایسے وحشت ناک اور ہولناک مناظر جنگوں میں بھی نہیں دیکھے، غالبًا یہ اس لئے کیا گیا کہ اس طرح آپ جیسے حکام کی کرسی محفوظ رہ جائے گی۔

مغربی میڈیا کے حوالوں سے جو خبریں آرہی ہیں، وہ یہ ہیں کہ پچاس ہزار سے زیادہ ائمہ کومعطل کردیا گیا ہے، یہ وہ ائمہ تھے جو مصری وزارت اوقاف کے ماتحت نہیں تھے، دوسری خبر یہ ہے کہ صرف ایک ضلع میں دو ہزار مسجدوں کو بند کردیا گیا ہے، تیسری خبر یہ ہے کہ اسرائیل ماہرین کے تعاون سے اخوانی قائدین کو خاص زہر کے ذریعہ ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا گیا ہے، پورے ملک میں مجموعی طور پر شہداء کی تعداد چھ ہزار ایک سو اکیاسی، زخمیوں کی تعداد پچیس ہزار پانچ سو باون، گرفتار لوگوں کی تعداد اٹھارہ ہزار پانچ سو پینسٹھ ہے، جو لوگ سنگین طور پر زخمی ہوئے ہیں ایسے لوگوں کی موت برابر ہورہی ہے، ہر روز آٹھ، دس کا تناسب ہے، ہر روز مصری فوجیوں کے ہاتھوں دو تین شہید ہورہے ہیں، اخیر میں ایک سوال علماء دین اور مفتیان کرام سے یہ ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں کیا فتوی ہے جو ظالموں کی مدد کررہے ہیں، اور اخوان کو دہشت گرد بتا کر انہیں ختم کرنے کیلئے اپنے خزانے پوری طرح کھول رہے ہیں؟؟؟۔

تجزیہ

قربانی کا عمل حقیقت کے آئینے میں

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

تمہید:

قربانی کا یہ عمل ہر مذہب وملت میں عبادت کی حیثیت سے مشروع رہا ہے، گو اس کے طریقے، نوعیت اور اسباب وعلل میں فرق رہا، حتی کہ خود ساختہ امت میں بھی اس کا نہ صرف تصور بلکہ کسی نہ کسی حد تک یہ عمل بھی پایا جاتا ہے، رہی بات وہ قربانی جس کی ہم اتباع کرتے ہیں وہ آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے کی بات ہے کہ عراق کی سرزمین میں پیدا ہونے والا ایک فرماں بردار شخص، اللہ کا اولوالعزم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ ہمیش کے لیے انسانی تاریخ میں اپنا مستقل نشان چھوڑ گیا، جنہوں نے ساری زندگی قربانیوں میں گزاری اور اپنی زندگی کے آخری لمحے تک طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرتا رہا، یہ عیدالاضحیٰ انہیں کی عظیم قربانیوں کا حصہ ہے، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے واقعہ کی حقیقی اہمیت یہی ہے کہ اس میں ایثار وقربانی کی کٹھن منازل کو آسانی سے طے کرنے کا راز علامتی انداز میں بیان کیا گیا ہے، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت راہ حقیقت کے سالک کی علامت ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شخصیت فطری محبت کے موضوع کی نمائندگی کرتی ہے اور اس میں ذات باری تعالیٰ سے حقیقی اور روحانی محبت کا عکس جھلکتا ہے۔

قربانی مذاہب عالم کے آئینے میں:

قربانی ایک ایسا عمل ہے جس کا ہر زمانہ میں اور ہر قوم وملک میں ثبوت پایا جاتا ہے، چنانچہ اس جگہ پر کچھ تاریخی شواہد پیش کئے جاتے ہیں، ہندوستان، ایران، یونان، روم، عرب، افریقہ اور امریکہ میں قربانی کا عام رواج تھا، رضاء الٰہی، کفارہ معاصی، ازالہ غضب واصنام کے لئے نیز عرب میں غربت دور کرنے، شاعر کی قوت بڑھانے اور بیماری کی شفاء کے واسطے قربانیاں ہوا کرتی تھیں۔

عبرانیوں میں شکریہ، کفارہ اور حمد الٰہی کے لئے، لڑکے کے تولد، ختنہ، شادی اور مہمان کے آنے، فتح مندی، زمین کے جوتنے، کنوئیں کی بنیاد، باہمی معاہدہ، مردہ کی سالانہ رسم، شکار کے بعد اور جب کوئی جانور پہلا بچہ دیتا تو قربانی ہوا کرتی تھی، توریت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آغاز دنیا سے یہ رسم جاری ہے، ہر قوم میں اس کا نیا انداز ہے اور نئی صورت ہے، یہودی اپنے گناہوں کے کفارہ کے لئے قربانی کیا کرتے تھے، اور پھر وہ اسے آگ میں جلا دیتے تھے، گناہوں کے کفارہ کے لئے قربانی کرنے کا غلو اس قدر بڑھا کہ عام طور پر یہ لوگوں کو یقین ہونے لگا کہ آسمان سے ایک بے دھوئیں کی آگ اترتی ہے اور مقبول قربانی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل میں سے بعض پیغمبروں کو ایسا بھی واقعہ پیش آیا کہ خدا کے لئے نذر کی گئی نیاز کو آسمان سے آگ آئی اور نیاز کو جلا گئی، جس سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ نیاز قبول ہوگئی۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب ہیکل تیار کی تو قربانیوں کی نوبت لاکھوں تک پہنچ گئی، مسیحی دین میں قربانی کا بہت لحاظ رکھا گیا ہے، لیکن نصرانیوں کو چونکہ یہودیوں سے سخت دشمنی تھی، اس لئے انہوں نے اس قدیم رسم کو مٹا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر چڑھانے کے بعد قربانی کو ترک کر دیا۔

قربانی قرآن کے آئینے میں:

قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب وخلیل حضرت ابراہیم السلام کو ایک خواب کے ذریعہ بتلایا کہ تم میری راہ میں اپنے بیٹے کی قربانی کرو، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس خواب کو مسلسل

تین دن تک دیکھتے رہے، بالآخرانہوں نے اپنے خواب کی تکمیل کے لئے اپنے لاڈلے بیٹے سے عرض کیا: "یٰابُنَیَّ إِنِّی اَرىٰ فِی الْمَنَامِ أَنِّی اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرىٰ، قَالَ یَآ أَبَتِ افْعَلْ مَاتُؤْمَرُ سَتَجِدُونِیْ إِنْشَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ "۔(سورۂ صافات)

''اے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کررہاہوں، تو تیری کیا رائے ہے؟ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا اے ابا جان! آپ کو جس چیز کا حکم ہوا ہے وہ کرگزریئے، یقیناً اللہ تعالی مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے''۔

قربانی کے متعلق دوسری جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ"۔(سورۂ کوثر) نماز پڑھواور اپنے رب کے نام پر قربانی کرو۔

گویا کہ اسلام میں قربانی اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے بطور عبادت کے واجب کی گئی ہے، جو احکام الٰہی کے امتثال کی علامت اور ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی بےنظیر قربانی کی یاد منانے کا بے مثال طریقہ ہے، بخاری شریف کی روایت ہے حضرت یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ بن سہیل انصاریؓ سے سنا ہے وہ کہتے ہیں ''کہ ہم لوگ مدینہ منورہ میں قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر خوب موٹا کرتے تھے اور عام مسلمانوں کا بھی یہی طریقہ تھا'' اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا عمل بھی قربانی کے سلسلے میں وہی تھا جو انہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور عمل مبارک سے معلوم ہوا، کتاب الاضاحی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنا اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول عیدالاضحیٰ کے دن کا بیان فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کیا کرتے تھے اور حضرت انسؓ کا معمول بھی سنت نبوی کے عین مطابق قربانی کرنا تھا، بلکہ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ نے تو ایک بات اور کہی ہے جو عشق نبوی میں ڈوبی ہوئی ہے کہ میں بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں دو مینڈھے کی قربانی کیا کرتا تھا۔

قربانی توریت کے آئینے میں:

قربانی کی تاریخ اور اس کی اہمیت جہاں اور بہت سی کتابوں میں ملتی ہے، وہیں توریت کے اندر بھی پایا جاتا ہے، توریت کے ایک باب ''پیدائش'' میں خدا فرماتا ہے: ''کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا، ہاں اپنا اکلوتا بیٹا، دریغ نہ رکھا، میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا اور بڑھاتے ہی تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور دریا کے کناروں کی ریت کے مانند بڑھاؤں گا، تیری نسل اپنے دشمنوں کے دروازہ پر قابض ہوگی اور تیری نسل سے زمین کی ساری قوم برکت پائے گی؛ کیونکہ تو نے مری بات مانی''۔(توریت ۲۲-۱۶)

قربانی منوسمرتی کے آئینے میں:

بھارت میں بھی تمام قوموں میں قربانیاں ہوا کرتی تھیں، ہندوستان میں منوجی مہاراج بڑے رشی اور قابل قدر انسان گزرے ہیں ''منوسمرتی'' آپ کی بہترین اور مستند کتاب ہے، جس میں آپ رقمطراز ہیں:

(۱) قربانی کے لئے ہرن اور پرندے مارنے چاہئیں، گذشتہ زمانہ میں ہمارے بزرگوں اور باعزت دیوتاؤں نے ایسا ہی کیا ہے۔ (منوادھیائے ۵/اشلوک:۲۲)

(۲) اگلے زمانہ میں رشیوں نے قربانی کے لئے ہرن اور پرندے کو مارا ہے۔(ایضا)

(۳) ایشور نے جانوروں کو قربانی کے لئے پیدا کیا ہے، یہ قتل قتل نہیں کہلاتا۔(ایضا)

(۴) جانور، پرندہ قربانی کئے جانے سے دوسرے جنم میں اعلی درجے پاتے ہیں۔(منوادھیائے ۵/اشلوک:۲۹)

مندرجہ بالا اشلوک سے ثابت ہوتا ہے کہ غذا حاصل کرنے کے لئے اور مناسب طریقے سے کھانے کے واسطے یا قربانی کے لئے جانور ذبح کئے جائیں تو نہ کوئی گناہ ہے نہ پاپ، البتہ محض کھیل تماشہ کی نیت سے بطور لہو ولعب جیسے بعض شکاری جانوروں کو مارتے ہیں، نیز حرام جانوروں کو مارنا منع اور پاپ ہے، اس کی تشریح بھی منوجی نے کردی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ''دنیا میں سب ساکن اور متحرک جس قدر اشیاء ہیں سب انسان کی غذا ہیں''۔(اشلوک:۳۰)

ہم نے منواسمرتی کے اشلوک کوصرف اس لئے نقل کیا ہے تا کہ یہاں ثابت ہوجائے کہ قربانی کی رسم ہندوستان میں قدیم زمانہ سے چلی آئی ہے اور ابتک اس کے آثار موجود ہیں، بلکہ ابتدائی ایام میں تو انسانی قربانی کا رواج تھا، کاشی جی (بنارس) میں وہ مقام موجود ہے، جہاں انسانی قربانی ہوتی تھی، ہندوراجاؤں، مہاراجاؤں کی بیماریوں میں صدہا جانوروں کی قربانیاں کی جاتی تھیں، پرانے راجاؤں، مہاراجاؤں کی قربانی آج کل کے ناٹکوں اور تماشوں میں مذہبی رنگ میں دکھائی جاتی ہیں، بلکہ بچوں کی قربانی اور اس پر والدین کا منگل گانا ہزارہا آدمیوں کے سامنے کھلا نظارہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں قربانی کی رسم بہت عام تھی اور نہ صرف جانوروں کی قربانی کی رسم تھی بلکہ بچوں، نوجوانوں اور عام آدمیوں کی قربانی بھی ہوتی تھی اور اس قربانی کے مختلف مقاصد ومطالب تھے، یہودی تو یہ سمجھتے تھے کہ قربانی ہمارے گناہوں کے مٹانے کا ذریعہ ہے، ان کا یقین تھا کہ خواہ ہم کیسے ہی گناہ کریں ایک بھیڑ یا بکری کو ذبح کر کے جلا دینا اس گناہ کو مٹادیتا ہے، اور عیسائیوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ حضرت مسیح کا مصلوب ہونا ہمارے گناہوں کے کفارہ کا باعث ہوگیا۔

لیکن جن کا تعلق دھرم سے کم رہا ہے، ان کو قربانی ایک عجیب شئی معلوم ہوتی ہے، ظاہراً انہیں یہ قربانی نفس اور مال کا ضیاع معلوم ہوتی ہے؛ لیکن حقیقت میں یہ ضیاع نہیں بلکہ ہر جانب سے فائدہ ہی فائدہ ہے، اس قربانی پر غیروں کی طرف سے بہت سارے اعتراضات بھی کئے جاتے ہیں، یہاں پر ایک اعتراض جس کا جواب حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ نے دیا وہ یہاں بیان کیا جارہا ہے ملاحظہ ہو:

اشکال یہ ہے کہ قربانی کرنے سے جانور ختم ہوجائیں گے؟۔

جواب: اول تو یہ خیال ہی غلط ہے کیونکہ روزانہ جو لاکھوں جانور بطور ذبیحہ کاٹے جاتے ہیں، بقرہ عید کے دن وہ ذبح نہیں ہوتے، اس طرح سے کچھ معمولی سا فرق پڑتا ہے جو کسی طرح بھی قابل اعتبار نہیں، پھر اس روز بعض ایسے لوگوں کو بھی گوشت پہنچ جاتا ہے جو سال میں ایک دوبار ہی کھا سکتے ہیں، پھر ان کی ساری کھالیں غرباء ومساکین میں تقسیم ہوتی ہیں، غرض بہت سے منافع اس سے حاصل ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ قربانی کا تصور صرف مذہب اسلام ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے دیگر بڑے مذاہب، مثلاً عیسائی مذہب، یہودی مذہب، ہندودھرم، بدھ مت، سکھ مت اور پارسی وغیرہ میں بھی پایا جاتا ہے، رہی بات ان حضرات کی کہ جنہوں نے اپنی ناسمجھی اور کم عقلی کی بنیاد پر یہ کہہ دیا کہ قربانی کرنا تو ''جیوہتیا'' ہے اور ''جیوہتیا'' پاپ ہے، میں دھرم کے بچاریوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں گا کہ اگر قربانی کرنا ''جیوہتیا'' ہے، تو ہر چیز چاہے وہ سبزی کیوں نہ ہو، سب کے سب ''جیوہتیا'' ہے، دودھ، پانی، ہری سبزیاں، ایسے ہی پھل وغیرہ سب کے اندر جان ہے، ان چیزوں کے توڑنے اور کاٹنے سے ''جیوہتا'' نہیں ہوتا، ہوتا ضرور ہے؛ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں، قرآن پاک میں اللہ تعالی فرماتا ہے:''وَاِنَّ مِنْ شَیءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ''۔(سورۂ بنی اسرائل:۴۴)

اور ہر چیز کے اندر جان ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں، لیکن ہم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

ہندوستان کے مشہور سائنس داں ڈاکٹر جگدیش چندر بوس نے سائنٹفک دلائل وبراہین کے ذریعہ یہ ثابت کردیا کہ پیڑ پودے بھی حس وشعور رکھتے ہیں، حتی کہ ڈاکٹر صاحب نے پیڑ پودوں کے دکھ، درد، تکلیف اور موت کے بارے میں بھی بتلایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ہر شئی کے اندر جان ہے، پیڑ پودے، ساگ سبزیوں کے اندر جان ہے، تو جب ان کو کاٹ کر کھانے اور دودھ سبزیوں کے ''جیوہتیا'' کرنے پر ملال نہیں ہوتا، تو عیدالاضحیٰ کے دن جانوروں کے ذبح کرنے پر کیونکر ملال ہوتا ہے، جب کہ زمین پر جتنے بھی حلال جانور اور چیزیں ہیں، سب اللہ تعالی نے انسانوں کے لئے بنایا ہے، تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں، اللہ تعالی ان لوگوں کو عقل سلیم عطا فرمائے۔

❀❀❀

غور وفکر

ہمارا قومی سیاسی منظر نامہ

مولانا فتح محمد ندوی نئی دہلی

ہمارے ملک کی سیاست اس وقت زیادہ گرما جاتی ہے بلکہ شدت اختیار کر لیتی ہے جب کوئی بڑا الیکشن سامنے ہو یا کسی ایسے بڑے حادثے کو ٹالنے کے لئے جو اہل سیاست کے ووٹ بینک یا کرسی کے لئے خطرہ بن رہا ہو، یہ اس طرح کی سیاسی صورت حال بنانا یا پیدہ کرنا ہمارے سیاستدانوں کی کمزوری کہیے یا مفاد پرستی لیکن وہ اقتدار کی خاطر ملک کی سالمیت اور سماج کے ساتھ اس طرح کے کھلواڑ کرنے سے باز نہیں آتے، کبھی مذہب کا سہارا لیکر اور کبھی مظلوموں کے انصاف کے نام پر یہ حرکتیں ہمارے سیاست دانوں کی طرف سے جاری رہتی ہیں۔

ماضی کی ایسی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں کہ ہمارے سیاست دانوں نے ملک کے مفاد سے اوپر اٹھ کر اپنے ذاتی مفاد کی خاطر وطن عزیز کی پیشانی پر کتنے بدنما داغ لگائے، دنیا بھر میں ملک کے وقار، تحفظ اور قومی یکجہتی پر کتنے سوالیہ نشان لگے، غرض وہ سب کچھ ہوا جس سے ملک کے امن پسند اور شریف لوگ حیران اور پریشان ہوئے، شاید اسی پس منظر میں ہندوستان کے سیاست دانوں کے درمیان رہ کر سابق الیکشن کمشنر لنگدو نے جو بات کہی تھی کہ ''یہاں کے سیاست داں ہندوستانی سماج کے لئے ناسور ہیں'' وہ سو فیصد انصاف پر مبنی ہے اور اسی طرح کے تاثرات ہیں، مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کے جو انہوں نے اپنے اسکول ''شانتی نکیتن'' کے حوالے سے لکھے ہیں کہ: ''میں ایک بات تم سے کہتا ہوں کہ ''شانتی نکیتن کو سیاست کی آگ سے محفوظ رکھو اور اس کو سیاست کا اکھاڑہ نہ بنا دینا'' اگر عام آدمی اس طرح کی بات کہے تو کوئی حرج اور پریشانی کی بات نہیں؛ لیکن رابندر ناتھ ٹیگور جیسا عظیم شخص اور مفکر اس طرح کی بات قومی سیاست کے حوالے سے کہے تو اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

بات آنے والے پارلیمانی الیکشن کی کرتے ہیں، جو ہمارے سروں پر کم اور اہل سیاست کے سروں پر زیادہ گرجنے لگے، دیکھنا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، ملک کی دونوں بڑی قومی پارٹیوں (بی جے پی اور کانگریس) سمیت دوسری علاقائی پارٹیاں بھی تیاری میں لگ چکی ہیں بلکہ کچھ تو پچھلے پانچ سال ہی تیاری کے عمل میں مصروف ہیں، یہ ہماری سطحی اور گھٹیا سیاسی سوچ اور فکر کا نتیجہ ہے کہ ہم انصاف اور سماج کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو برطرف کر کے پھر آنے والے پانچ سالوں کے لئے حکمت عملیاں بنانے لگتے ہیں اور وہ تمام وعدے بھول جاتے ہیں جن کے توسط اقتدار ملتا ہے، نیلسن منڈیلا نے دنیا کی موجودہ سیاست اور اہل سیاست کے تعلق سے کیا خوب بات کہی کہ اب دنیا میں رہنما نہیں سیاست داں پیدا ہوتے ہیں کیونکہ رہنما وہ ہوتا ہے جو آنے والی نسل اور قوم کے لئے سوچتا ہے اور سیاست داں آنے والے الیکشن کے بارے میں سوچتا ہے'' نیلسن منڈیلا کا یہ قول یقیناً آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، واقعی آج اگر ہم اپنی قوم میں رہنما تلاش کرنے لگے، تو مایوس ہو جائیں گے، تھک جائیں گے، کوئی نظر نہیں آئے گا؛ لیکن سیاست داں خوب مل جائیں گے، یہ ہمارا اپنا قصور ہے کہ خود ہم رہنما نہیں بناتے، ہاں سیاست داں ضرور بناتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آزادی کہ بعد سے ابتک ہم مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنیؒ، گاندھی جی اور پنڈت

نہرو جیسے رہنما اپنی قوم کو نہیں دے سکے۔

مثالیں اگر اس تخریبی سیاست کی دی جائیں جس کا اوپر ضمناً تذکرہ ہوا، اور جس میں ہم نصف صدی سے غوطے لگا رہے ہیں، تو حمام میں سب ننگے نظر آئیں گے، کوئی بھی سیاسی پارٹی قومی سیاست میں ہمارے سامنے ایسی نہیں جس کو آئیڈیل یا نمونے کے طور پر تعمیری سیاست کے منظرنامے میں بطور مثال پیش کرسکیں، وجہ اس کی کیا ہوسکتی ہے؟ کیا ہماری قومی سیاست پر اب تک غیر قوموں کے اثرات موجود ہیں؟ کیا ہم اپنی کوئی ایسی سیاسی سوچ نہیں رکھتے جو گندگی اور تخریب سے پاک ہو؟، یقیناً وہ سب کچھ ہمارے پاس ہے، جس کا تعلق ایمانداری، اخلاق اور اعلی کردار سے ہے؛ لیکن ان تمام اچھائیوں اور خوبیوں کو ہم نے قومی سیاست سے الگ کردیا، جو ہماری قومی سیاسی سوچ اور فکر کی بنیاد سمجھی جاتی تھیں اور اس کو لے لیا جس کو انگریز اگل کر چلے گئے، پھر اس کو چاٹنے کے بعد جو ہوا اور ہو رہا ہے، وہ سامنے ہے۔

لیکن اب سوال یہ ہے کہ ملک کی قومی سیاست میں تخریب کیسے داخل ہوئی؟ اور اس میں کس پارٹی کا زیادہ رول رہا ہے، اگر کسی ایک پارٹی یا رہنما پر ذمہ ڈال دی جائے تو یہ بڑی ناانصافی ہوگی، کیونکہ اگر حقیقت پسندی سے تمام صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو سب ہی اس میں برابر کے شریک ہیں، ہاں! کیفیت اور کمیت کا فرق ہوسکتا ہے، ویسے اگر ملک کی ساٹھ سالہ سیاسی تاریخ کا ایک تجزیاتی جائزہ لیا جائے تو اس میں کیفیت کے اعتبار سے بھی اور کمیت کے اعتبار سے بھی بی جے پی تخریبی سیاست میں سرفہرست نظر آتی ہے، جہاں تک بات کانگریس یا دوسری علاقائی پارٹیوں کی ہے تو تخریبی سیاست کے جراثیم ان میں بھی موجود ہیں اور کانگریس تو بہرحال اس میدان میں کسی سے کم نہیں جبکہ کانگریس پارٹی سیاسی اعتبار سے گاندھی، نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے سیکولر لیڈروں کی وارث ہے اور رہے گی اگرچہ کبھی کبھی یہ پارٹی بھی اپنے بانیوں کے اصولوں سے منحرف ہوجاتی ہے لیکن جب بھی کانگریس پارٹی نے اپنے بنیادی اصولوں سے بغاوت کی تو انجام جو ہوا وہ سب جانتے ہیں، بہرحال کانگریس اور بی جے پی کی تخریب کاری میں ہمیشہ فرق رہا ہے کانگریس آستین کا سانپ بن کر اور چھپ کر اس گھناؤنے عمل میں لگی رہی؛ لیکن بی جے پی نے جس تخریب کاری کو علی الاعلان ملک میں جنم دیا اس سے ملک میں بدامنی بڑھی اور آپسی بھائی چارگی پر گہرا اثر پڑا، مذہب کے نام پر سیاست کا فروغ ہوا دیش بھگتی کا نعرہ دیا گیا اور یہ سب لعنت بی جے پی کے اس قومی سیاسی نظریے سے آئی جس کی بنیاد ہی تخریب کاری کے اوپر تھی، جس کے ایجنڈے میں وہ سب کچھ تھا اور ہے جو اس ملک کے اکثریت کے مزاج کے خلاف ہے، اگر بی جے پی کی سوچ اس اکثریت طبقے کے موافق ہوتی جس کو ہم نے ابھی گزشتہ سطروں میں لکھا ہے تو اس ملک میں کبھی بھی کانگریس یا دوسری سیکولر پارٹیاں اقتدار میں نہ آتی، اندازا اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کبھی بھی بی جے پی کو اس ملک میں اکثریت نہیں ملی۔

۲۰۰۲ء میں گجرات میں خونی فساد ہوے۔ بی جے پی نے دنگوں کی سرپرستی کی، مودی جو فساد کے ذمہ دار تھے وہ بھاجپا کے ہیرو بن گئے، اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ ہزاروں معصوموں کا قاتل بی جے پی کا پی ایم امیدوار ہوگیا، خدا خیر کرے۔۔۔۔لیکن اب سوال یہ ہے کہ مودی پی ایم کی دعوے داری تک کیسے پہنچ گئے، اس کا آسان جواب یہ ہے کہ مودی کی اس امیدواری میں جہاں بی جے پی کی فرقہ پرست سوچ ذمہ دار ہے، وہیں کانگریس بھی برابر کی ذمہ دار ہے بلکہ مودی کو ہیرو بنانے میں کانگریس کا بڑا اہم رول ہے، جب بھی مسلمانوں کو خوش کرنا ہو، یا خوف دلانا ہو تو مودی کے وہ تمام گناہ ایک ایک کرکے باہر آجاتے ہیں اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اب گجرات کے مظلوموں کو انصاف مل جائے گا؛ لیکن معاملہ چیخ و پکار پر آکر ختم ہوجاتا ہے، مظلومین پھر انصاف کا منہ تکنے لگتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ گجرات کے فرقہ وارانہ فساد سے بی جے پی کو گجرات مل

گیا؛لیکن بی جے پی کی اس فرقہ پرستی سے کانگریس کو ایک طویل مدت کے بعد پورا ہندوستان مل گیا،اور کانگریس اب اسی فارمولے پر عمل کر رہی ہے جس کی وجہ سے مودی کو اس کے گناہوں کی سزا نہیں مل رہی ہے، ورنہ جہاں تک بات انصاف کی ہے تو مودی کو جیل میں ہونا چاہئے تھا، اس کو اپنے گناہوں کی سزا ملنی چاہئے تھی، کتنے ثبوت تھے جو اس کے ظلم کی گواہی کے لئے کافی تھے؛ لیکن تمام ثبوت اور ہزاروں گواہیاں ایک طرف کر کے ایس آئی ٹی کے ذریعہ سے مودی کو بچانے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں، اور آخر کار اپریل ۲۰۱۲ء میں مودی کو ایس آئی ٹی نے کلین چٹ دیدی جبکہ اس کلین چٹ پر بہت سے سوالیہ نشان لگے، انصاف پسند لوگوں نے اس پر شور مچایا، سپریم کورٹ کے سابق جج پی بی ساونت (جو گجرات کی فساد انکوئری کر چکے ہیں) نے بھی ایس آئی ٹی کی اس رپوٹ سے متفق نہیں تھے جس میں مودی کو کلین چٹ دی گئی تھی، معطل آئی پی ایس افسر سنجیو بھٹ نے بھی مودی کے خلاف سپریم کورٹ میں ایک حلف نامہ داخل کر کے یہ دعوی کیا تھا کہ انہوں نے ۲۷رفروری ۲۰۰۲ء اپنی رہائش گاہ پر سینئر افسروں کے ساتھ ایک میٹنگ کی تھی، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ گودھرا سانحہ کے بعد ہندوؤں کو اپنا غصہ اتارنے کی اجازت دی جائے، اور اب مودی کے قریبی ڈی ونجارا بھی ان کے کردار کا مکمل خلاصہ بیان کر چکے ہیں۔

بہرحال ان تمام سچائیوں کے باوجود اب تک مودی کو سرکاری قاتل نہیں قرار دیا گیا، مظلوم انصاف کے لئے عدالتوں کے چکر لگاتے رہے، کبھی گجرات سے دہلی اور کبھی دہلی سے گجرات؛ لیکن اب تک بحث اسی بات پر چلتی رہی کہ مودی گجرات فساد کے ذمہ دار ہیں یا نہیں، کچھ رپوٹیں ان کو آسانی سے بری کر دیتی ہیں، کچھ ان کو مجرم قرار دیتی ہیں، یہ ایک طویل سلسلہ ہے، کب ختم ہوگا، اس پر کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔

تخریبی سیاست کا یہ عفریت ہماری اخلاقی قدروں کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے؛ لیکن آج تک اس سماجی اور گھناؤنی برائی سے بچاؤ کے لئے کوئی پیش قدمی نہیں ہوئی، نہ سرکاری سطح پر کوئی آواز اٹھی اور نہ ہی عوامی سطح پر، جس کی وجہ سے صدیاں گزر جانے کے بعد بھی کوئی تبدیلی قومی سیاست میں نہیں آئی، جہاں سے سفر شروع کیا تھا وہیں چکر لگاتے رہے، ایسی صورت میں اشد ضرورت اس بات کی ہے کہ متحد ہو کر ان عناصر کا مقابلہ کریں، جو تخریبی سیاست اور سوچ کو بڑھاوا دے رہے ہیں، ورنہ وہ دن دور نہیں جب یہ جراثیم تمام سماج میں پھیل جائیں گے، پھر آنے والی نئی نسل ملک کی ترقی کے بجائے ایک اندرونی تناؤ اور فساد میں مبتلاء ہو جائے گی۔

❁❁❁❁

﴿بقیہ صفحہ ۱۶رکا............﴾ قبل اِس سے کہ ہم اسے واقع ہونے دیں، بیشک یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے، اب یہ نہ ہونا چاہئے کہ تم افسوس کرتے بیٹھو جو ہاتھ سے جاتا رہا اور نہ اتراتے رہو اس پر، جو اللہ نے تمہیں دیا، بیشک اللہ نہیں پسند کرتا کسی بھی اترانے والے، فخر کرنے والے کو''۔

زندگی کے شب وروز کی دلآویزیاں، اس کے نشیب وفراز کی لذتیں اور اِس کے ماہ وسال کی نیرنگیاں انسان کے لیے اس لیے نہیں ہیں کہ وہ اِن میں کھو کر رہ جائے، بلکہ اِن ہی دلآویزیوں، اِن ہی لذّتوں اور اِن ہی نیرنگیوں کے درمیان وہ اپنے رحیم وکریم رب کو اور اُس کی رحمت کو تلاش کرے، پھر اپنے حال کو درست کرنے کی طرف توجہ کرے پھر اپنے مستقبل پر بھی نظر رکھے کہ وہ زندگی کے کس دروازے سے داخل ہونے جا رہا ہے بے رہروی کے یا فرمانبرداری کے دروازے سے؟ کیا اربابِ سائنس اور اصحابِ الکتاب اپنی سائنسی و دینی کاوشوں کے ایسے امتزاج پر آمادہ ہیں جس کے ذریعہ ہماری یہ حسین ودلنشین دُنیا امن وامان کا گہوارہ بن کر رب تعالی کی رضا کا ذریعہ بن سکے؟۔

❁❁❁❁

پیغامِ عمل

ابنائے دارالعلوم دیوبند سے خطاب

حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ

حضرت مولانا سید محمد میاں کا طلبہ دارالعلوم سے یہ خطاب ماہنامہ دارالعلوم کے جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ کے شمارے میں شائع ہوا تھا، جس میں انہوں نے اہل مدارس اور طلبہ کو ایک اہم پیغام دیا ہے، کاش کہ طلبہ اس پر عمل کرلیں، تو کتنے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔

بایں همه فراوانی آج هم قلت میں هیں:

ہندوستان میں صرف یہی مرکز العلوم ہے، جس کے واجب الاحترام ابناء فرزندان کی تعداد اس وقت ہزاروں سے کم نہیں، جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں، ابنائے دارالعلوم سے مستفیضین کا شمار شمار سے بہت زیادہ ہے، ہزار ہا فرزندان کے اس لشکر عظیم اور اس فوج جرار کا ہر فرد، عالم، فاضل اور سند یافتہ مولوی ہے، جو ”اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءُ“ کے پرشوکت اعلان نبوی کا طرۂ امتیاز اپنی دستار فضیلت میں لگائے ہوئے ہے۔

ان کے ماسواء دارالعلوم دیوبند کے بالواسطہ فیض یافتگان کا شمار ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک پہنچتا ہے، کوئی شبہ نہیں کہ ایک ہی مرکز سے تعلق رکھنے والوں کی یہ تعداد اسلامیان ہندوستان کے لئے نعمت عظمٰی ہے، اور اسی طرح اس سلسلہ عالیہ کے ہر ایک متوسل کے لئے آیت رحمت اور وثیقہ رفعت، لیکن بایں ہمہ فراوانی آج ہم قلت میں ہیں، اور ”یَدُاللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ“ کے برکات سے محروم ہیں۔

آج هندوستان پر همارا تسلط کیوں نهیں؟:

سوال یہ ہے کہ آج ہندوستان پر ہمارا تسلط کیوں نہیں؟ عروج وترقی کے سربلند مینارہ پر ہمارا پرچم عظمت کیوں نہیں لہراتا؟۔

امارت وخلافت کے اخلاق کی تاریخ جس کو ہم ورد زبان رکھتے ہیں عملاً کیوں نہیں دہراتے؟ مسلمانوں کے اخلاق پست کیوں ہیں؟ ان کی معاشرت کیوں تباہ ہے، مسرفانہ رسومات اور فضول مصارف نے ان کے اقتصاد کو کیوں برباد کر رکھا ہے؟ جہالت کی تاریک چادر ان پر کیوں تنی ہوئی ہے؟ مساجد کیوں ویران ہیں؟ دیہات بلکہ شہروں میں بھی اسلامی نام رکھنے والے کلمہ اسلام تک سے کیوں ناواقف ہیں؟ اور پھر کیا وجہ ہے کہ وارثان انبیاء علیہم السلام کے احترام سے دلوں کی کوٹھریاں خالی ہیں؟ ان کے اقتدار کے سامنے مدعیان ملت کی گردنیں کیوں نہیں خم ہوتیں؟ اور کیا وجہ ہے کہ انہیں کو ملت اسلامیہ کا واحد نمائندہ کیوں نہیں تسلیم کیا جاتا؟ حالانکہ بانی ملت نے نظام ملت کا قائد اور جسد ملت کا قلب انہیں کو قرار دیا تھا۔

علماء ملت کو برباد کیا گیا:

تسلیم ہے علماء ملت کو برباد کیا گیا، دار کے ہزاروں تختوں کو ان کے مقدس خون سے سیراب کیا گیا، پھانسیوں کے ہزاروں پھندے ان کی معصوم گردنوں کے گلوبند بنائے گئے، دارورسن، سیف وسنان کے ماسواء قید وبند سے بھی ان کی آشنائی قدیمی ہے، بید اور تازیانوں کی ایجاد انہیں کمروں کے لیے ہوئی تھی، جو حق صداقت کی پشت پناہ ہوا کرتی ہیں، انڈومان کے جزائر بھی ان کے قدوم میمنت لزوم کی برکتوں سے محروم نہیں رہے، جب ضرورت پیش آئی کہ: ”ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو، اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر مذاق اور رائے الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو“۔

فارسی کی بجائے انگریزی کو سرکاری زبان قراردیاگیا:

تو فارسی کے بجائے انگریزی کو سرکاری زبان قرار دے کر ان کو سیاست سے خارج کیا گیا، علماء کی ہر ایک قابلیت کو نظر انداز کر کے ان

کو غیر تعلیم یافتہ مانا گیا، سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر بند کردئے گئے۔

اور پھر اپنوں نے بھی اس نظریہ کی ہمنوائی کر کے انہیں پانی پی پی کر کوسا اور پیٹ بھر کر گالیاں دیں، اوران کی توہین وتذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا، ان کی ہر ایک چیز کا مذاق اڑایا، اورعوام کوان سے متنفر کرنے میں ایڑی چوٹی کا زورصرف کردیا، یہ سب کچھ ہوااور جس طرح دوپہر کے آفتاب کا انکارنہیں کیا جاسکتا، اسی طرح مسطورہ بالا واقعات میں سے کسی ایک کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی تھذیب دارالعلوم ھی کی برکت ھے:

ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد ہی دارالعلوم دیوبند کی بنیادرکھی گئی، اس تخریب واستیصال کا صرف تھوڑا سا حصہ باقی تھا جو بعد میں پورا کیا گیا، یہ بھی تسلیم ہے کہ اسلامی تہذیب جو کچھ ہندوستان میں باقی ہے جس کی نظیر سے آزادممالک اسلامیہ قاصر ہیں، وہ دارالعلوم دیوبند ہی کی برکت ہے، پابندی شریعت اور اتباع سنت کا جوغلغلہ طول وعرض ہند بلکہ کابل، ایران وغیرہ ممالک میں ہے، وہ اسی ایشیا کے واحد مرکزعلمی کی بدولت ہے، اگررسمی سارٹیفکٹوں کونظرانداز کردیا جائے تو آسانی سے چیلنج کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم میں اس مرکزعلمی کا حصہ ۵۰رفیصدی سے کم نہیں۔

اشاعت علم کی وہ خدمت جو خود حکومت سے انجام پذیر نہ ہوسکی:

ہندوستان کے طول وعرض میں ہزاروں مدارس اور مکاتب ہیں، جن کی قندیلوں کا روغن اسی شجرہ زیتون سے لیا گیا، پھر جب کہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے دروازے اور کھڑکیاں غریب اور نادار بچوں کے لئے بند کئے جارہے تھے، اسٹوڈینٹس کی جیبوں سے اربوں روپیہ کھسوٹ کر پروفیسروں اور پرنسپلوں کے عشرت کدوں پرلٹایا جارہا تھا، اس مرکزعلمی سے واسطہ رکھنے والے مدارس اور مکاتب نے اپنے پھاٹک غریبوں کے لئے کھول دئے، یتیم اور لاوارث بچوں کوآغوش تربیت میں لیا، کھانے پینے، رہنے سہنے، پڑھنے لکھنے وغیرہ کا تمام سامان کارکنان مدارس ومکاتب نے مسلمانوں سے بھیک مانگ مانگ کر کیا، بے انتہا زحمتیں اوراس مقصدخیر کے لئے بے انتہا ذلت واہانت برداشت کی اور اشاعت علم کی وہ خدمت انجام دی جو بڑی حکومتوں سے اورخود حکومت ہند سے انجام پذیر نہ ہوسکی۔

غرض اس قسم کی بہت سی برکتیں ہیں جواس مرکز قدس وشرف سے ظہور پذیر ہوئیں، یہ بھی مجھے تسلیم ہے کہ موجودہ جہالت صرف اسی دور کی پیداوارنہیں، جس کوانگریزی دور کہا جاتا ہے، بلکہ وہ نتیجہ ہے اس طوائف الملوکی کے دور کا جو سلطان عالمگیر کے بعد شروع ہوا، جس کی عظیم الشان رکنیت ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہندوستانی ایجنٹوں کو حاصل تھی، جس کے متعلق ۱۸۲۳ء میں آنریبل ایم، اینفسٹن اور آنریبل، ایف وارڈن نے ایک متفقہ یادداشت گورنمنٹ میں پیش کی تھی جس کا اقتباس یہ ہے: ''انصاف یہ ہے کہ ہم نے دسیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کردئے، ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ نہ صرف ان کی علمی ترقی کی ہمت افزائی کے تمام ذرائع کو ہٹالیا ہے، بلکہ قوم کے اصلی علوم بھی گم ہوجانے اور پہلے لوگوں کی ذہانت کی پیداوارفراموش ہوجانے کا اندیشہ ہے''۔

دارالعلوم نے ڈیڑھ سوساله دور جھالت کو اٹھانیکی کی کوشش کی:

دارالعلوم دیوبند نے اس ڈیڑھ سوسالہ دور جہالت کو اٹھانے کی کوشش کی، اوراس تاریک فضا میں جس کولادینی اور لامذہبی، انگریز پرستی اورخودفراموشی کی آندھیوں نے گردوغبار سے بھردیا تھا، علم وفضل کے چراغ روشن کئے، تاہم سوال یہ ہے کہ اس وقت سلسلہ فرزندان دارالعلوم کی کثیرتعداد کے باوجود جہالت، لادینی، اسراف اور فسق وفجور کی یہ پھیلی ہوئی فضا مسلمانوں میں کیوں موجود ہے۔

طلوع صبح صادق کے بعدشب دیجور کی یہ تاریکی کیسی؟ نشوررحمت کے بعدقلوب امت قنوط زدہ کیوں ہیں؟ نزول غیث کے ساتھ خیابان

ملت تفتید ہ جگر کیوں ہے، زمانہ اگر سازنہیں کرتا تو یہ ایک نیا زمانہ کیوں نہیں بنالیتے، ابنائے زمانہ اگر ان کا ساتھ نہیں دیتے تو یہ خودگراں پا کیوں ہو گئے۔

نیا آسمان کیوں نہیں بنالیتے:

شاہ اسماعیل شہید، سید احمد شہید، امداداللہ مہاجر مکی، قاسم ورشید اور محمودالحسن کے یہ فرزند دنیا میں موجود ہوں اور مسلمانان ہند ان کو اپنا واحد نمائندہ تسلیم نہ کریں یاللعجب، یہ جمود کیسا، اگر یہ دہر نا پائیدار بے وفا اور ناقدر شناس ہے تو اس کو پلٹ کیوں نہیں دیا جاتا، پیر فلک کی آخر شکایت کب تک، ایک نیا آسمان کیوں نہیں بنا لیتے۔

کیا دوڑتے دوڑتے تھک گئے ہیں، بعد مسافت نے آبلہ پا کر دیا ہے، یا ابھی چلنا ہی نہیں شروع کیا، کس قدر تعجب کی بات ہے کہ جن سے چلنے کے لیے نہیں کہا گیا، جن کی بلندی و برتری اور عروج وترقی کو ''متاع قلیل'' کہا گیا ہے، جس کا نتیجہ جہنم ہے، وہ سراسر جدوجہد بنے ہوئے ہیں، مصروف عمل ہیں، بلکہ پیکر کردار۔

اور جن کے لیے لازوال ابدی اور دائمی نعمتوں کے خزانے فراہم کئے جائیں گے، جن کو رضوان الٰہی کی دولت لازوال سے نوازا جائے گا، وہ افتادہ پا ہیں، آخر وجہ کیا ہے؟

یہ صحرانورد، خانہ نشین کیوں ہیں؟ جن کے تلوؤں کی کھجلی خار دشت کی آرزو کیا کرتی تھی، وہ ٹوٹی جھونپڑیوں کے کونوں میں کیوں چھپ رہے ہیں، یہ دنیاداروں کے اور دنیا کے شاکی کیوں ہیں، دوش دنیا پر سوار کیوں نہیں ہو جاتے، اگر تنزل وتقاعد کے کچھ اسباب ہیں تو کیا ہیں، اور ان کا علاج کیا، آؤ آج اسی پر غور کریں۔

تنزل وانحطاط کے اسباب:

میرے خیال میں اس کا سبب ایک ہے، اور صرف ایک، ہم نے اپنا منصب نہیں پہنچانا، دنیا کہتی ہے کہ آپ وارث انبیاء ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ وارث انبیاء ہیں، قرآن پاک نے انبیاء علیہم السلام کے فرائض ان کے حوالے فرمائے۔

اور ہم بھی فضائل علماء بیان کرتے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ یہ جماعت وارث انبیاء ہے اور نہ صرف وارث بلکہ برسر منبر کہا کرتے ہیں اور پوری قوت سے کہا کرتے ہیں کہ ''عُلَمَاءُ أُمَّتِيْ كَأَنْبِيَاءِ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ''، مگر ہمیں خود اپنی حیثیت میں کبھی خیال بھی نہیں پیدا ہوتا کہ واقعی ہم وارث انبیاء ہیں، اور اگر کبھی خیال پیدا بھی ہوتا ہے تو نہایت کمزور۔

مختصر یہ کہ ہم کہتے ہیں مگر سمجھتے نہیں کہ وارث انبیاء ہم ہی ہیں، کیا اس کا سبب انکسار نفس ہے، جو انکسار نفس اداء فرائض سے قاصر رکھے وہ انکسار نفس نہیں بلکہ غفلت، جبن، بے حسی اور بے شعوری ہے، جو مدح کے بجائے مذمت اور ثواب کے بجائے عذاب کا مستحق گردانتی ہے۔

مادرعلمی کا قصور:

بیشک ہماری اس بے شعوری میں ''مادرعلمی'' کا بھی کسی قدر قصور ہے، علم بغیر تربیت (ٹریننگ) ناتمام ہے، ہماری تعلیم ہوتی ہے مگر اس کے بعد مستقبل کے متعلق اگر کوئی فیصلہ طلبہ کر بھی لیتے ہیں تو مادرعلمی کی جانب سے اس فیصلہ کے بموجب تربیت وتکمیل کی کوئی صورت مہیا نہیں ہوتی، مثلاً اگر کسی طالب علم نے فیصلہ کر لیا کہ اس کو آئندہ زندگی تبلیغ میں صرف کرنی ہے تو تبلیغ کی کیا صورت ہونی چاہئے، اس کے آداب وقواعد کیا ہیں، کن کن کتابوں یا فنون کی یا زبانوں کی ضرورت ایک مبلغ کو ہوسکتی ہے، اس طالب علم کو ان کا مطالعہ کرنا چاہئے، غرض ان چیزوں کے متعلق ''مادرعلمی'' کی جانب سے کوئی امداد نہیں فرمائی جاتی ہے۔

ہماری پستی کے اسباب:

مگر حقیقت یہ ہے کہ ''مادرعلمی'' کے قصور سے زیادہ خود ہمارا قصور ہے، ہم علم ضرور حاصل کرتے ہیں مگر نصب العین نہیں متعین کرتے اور اگر نصب العین ہوتا ہے تو صرف پڑھانا، گویا ایک مولوی دنیا میں صرف ''تدریس'' ہی کا کام کر سکتا ہے اور جو مولوی کسی مدرسہ کا مدرس ہو جائے وہ کامیاب ہے، زمانہ تعلیم میں نصب العین سے ہماری لاپرواہی یا تردد کے مہلک نتائج ہی آج ہماری پستی کے اسباب ہیں، آج اسی خرابی کے باعث بلا مبالغہ ہم ۹۹ رفیصد ناکام ہیں۔

ہم نے کوئی نصب العین متعین نہیں کیا:

چونکہ پہلے سے کوئی نصب العین متعین نہیں کیا، لہٰذا زمانہ تعلیم میں اگر ہم محنتی اور مستعد طالب علم ہوتے بھی ہیں، تو ہماری محنت اور مستعدی کا دائرہ صرف درسیات میں منحصر رہتا ہے، ان کے ماسواء تاریخ، جغرافیہ، اصلاح اخلاق تک کی فکر نہیں ہوتی، انتہا یہ ہے کہ اگر ہم نے پہلے سے حساب اور تحریر جیسی ضروری چیزیں نہیں سیکھی ہیں تو اب ان شرمناک خامیوں کے دور کرنے کی جانب بھی التفات نہیں ہوتا۔

جب ہم محنت کر کے درسیات کی تکمیل سے فراغت حاصل کرتے ہیں، اور دورۂ حدیث شریف کے سخت امتحانات میں اعلیٰ نمبر حاصل کر کے ایک طویل وعریض سند حاصل کر لیتے ہیں، تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''کیا کرنا چاہئے'' اس وقت تک اگر آئندہ زندگی کے متعلق سوال پیدا ہوا تھا، تو ''تدریس وتعلیم'' یہی اس کا جواب تھا، لہٰذا ہم سب سے پہلے کسی مدرسی کی جگہ کے متلاشی ہوتے ہیں، اس جستجو میں ہماری کج روی کس قدر جگر فگار ہے ''الامان والحفیظ''۔

یہ مدارس مسلمانوں کے لئے رحمت وبرکت ہیں:

ظاہر بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد اور دہلی، رامپور، بریلی، کانپور، لاہور وغیرہ کے مدارس عربی سے جب ہر سال کم از کم پانچ سو علماء تیار ہوں گے تو ہر ایک کو مدرسی نہیں مل سکتی، لہٰذا پہلی کوشش کی جاتی ہے کہ خود مدرسہ قائم کرلیا جائے، اگر تبلیغ واصلاح کے مقصود کو سامنے رکھ کر دیہات وقصبات میں مدارس قائم کئے جائیں اور حسب ضرورت ان میں مسلمان بچوں کو تعلیم دی جائے، انہیں کے ماتحت مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام بھی کیا جائے اور پھر اس مدرسہ کو ایک مرکز قرار دے کر مضافات میں تبلیغ کی جائے، حق وصداقت پر قائم رہ کر مسلمانوں کے اخلاق ومعاشرت کی اصلاح کی جائے، تو بلاشبہ یہ مدارس مسلمانوں کے لئے رحمت، برکت اور سراسر برکت ہیں، نیز مندرجہ ذیل ارشاد ربانی کی تعمیل کی بہتر اور آسان شکل ہے: ''فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ''۔

ہر ایک کو دارالعلوم بنانیکی فکر:

لیکن افسوس چند قسم کی بدقسمتیاں ہمارے اس پاکیزہ مقصد کو واژگون کر دیتی ہیں، مثلاً:

(۱) اصلاح اخلاق، اصلاح معاشرت، غرض جملہ اصلاحات کو صرف بریلویت اور دیوبندیت کی جنگ میں منحصر کرلیا جاتا ہے۔

(۲) سلسلہ تعلیم میں عام مسلمانوں کی ضرورت کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ اپنی استعداد کی افزونی مدنظر رہتی ہے، لہٰذا کوشش یہ ہوتی ہے کہ عربی پڑھنے والے طلبہ فراہم ہوں اور بخاری شریف و ترمذی شریف یا قاضی، صدرا، شمس بازغہ کا درس ان کو دیا جائے، یعنی کوشش کی جاتی ہے کہ ہر ایک چھوٹے سے گاؤں میں بھی قائم کیا جائے تو دارالعلوم جو مرکز العلوم کا خطاب جلد حاصل کر سکے۔

بسااوقات انہیں جذبات کے ماتحت ایک ایک شہر میں کئی کئی مدارس قائم کئے جاتے ہیں اور ہر ایک کو دارالعلوم بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس جذباتی جدوجہد میں مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم سے توجہ ہٹ جاتی ہے جو درحقیقت فرض تھی اور جس کے لئے زائد سے زائد مدارس کے قیام کی شدید ترین ضرورت اس وقت بھی موجود ہے اور آئندہ بھی رہے گی، جب تک مسلمانوں کے ہر ایک گاؤں اور ہر ایک محلّہ میں مذہبی تعلیمات کا ایک مدرسہ نہ قائم ہوجائے اور جب تک ہر ایک مسلمان لڑکا اور لڑکی، مذہبی ضروری تعلیم سے کماحقہ واقف نہ ہوجائے۔

ضرورت کے مطابق مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم کی بجائے انتہائی تعلیم ہماری توجہات کا مرکز بن جاتی ہے، لہٰذا ضرورت پڑتی ہے کہ ہر ایک مدرسہ میں دو چار فضلا دارالعلوم دیوبند ہوں جو درسیات کو آخر تک پڑھا سکیں، یہ مدارس چونکہ مسلمانوں کی عام ضرورت سے چشم پوشی کر کے ان کی جائز خواہش کے خلاف ان کے سر پر ڈالے جاتے ہیں، لہٰذا ان کی مالی ضرورتوں کے پورا کرنے کی جانب مقامی مسلمان

متوجہ نہیں ہوتے ، یا متوجہ ہونے کی طاقت اور ہمت نہیں رکھتے ، لہٰذا دیگر مقامات سے چندہ فراہم کرنے کی کوشش کی جاتی، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم یا مدرسہ شاہی کا فارغ التحصیل طالب علم اپنے مرکز علمی کی امداد کی بجائے ،خود ان کی آمدنیوں پر حملہ کرتا ہے اور اس طرح غیر ارادی طور پر اپنے علمی مرکزوں کو کم از کم خاطر خواہ ترقی سے روک دیتا ہے۔

مدارس کی طوائف الملوکی:

وہ گورنمنٹ جس کے نظریہ کا علم ''لارڈ میکالے'' کے مسطورہ بالا قول سے ہو جاتا ہے اور جس کے نظریے کو نا کام کرنے والے صرف علماء ہی ہو سکتے تھے، اس نے مدارس کے بارے میں ''یہ طوائف الملوکی'' دیکھی تو خود بھی علوم مشرقیہ کی یونیورسٹیاں قائم کر کے اپنے مذاق کے مولوی تیار کرنے کی فیکٹریاں تیار کردیں، اور پھر علم پروری کے پردہ میں دیگر مدارس کو بھی امداد کی طمع دلا کر سرو آزاد کی چوٹی پر پرواز کرنے والے طائران حریت کو من مانی شرائط کی تھیلیوں میں بند کر دیا۔

ہمارے یہاں معیار قابلیت یونیورسٹی کا امتحان ہے:

اب نہ صرف ایک عالم دین اور وارث نبی، بلکہ پورا علمی ادارہ، ایڈ کے چند سکوں کے لئے ملوکیت واستعماریت کے دست باطل پرست پر بیعت کرنے لگا، حضرات علماء وفضلاء کی ماشاء اللہ کثرت نے نکبت وافلاس کے اس طوفانی دور میں ملوکیت کے منحوس قدموں کو بہت جلد موقع دیدیا کہ وہ آگے بڑھیں اور دارالعلوم دیوبند جیسے علمی مرکز کے وقار کو خاک میں ملا دیں۔

چنانچہ تدریس وتعلیم کے شوقین فضلا جدید، جب علم وفضل کی متاع گراں بہا کو لیکر (افسوس صد افسوس) بازار ملازمت میں پہنچے، تو انگریز پرستی کے ایجنٹوں کی طرف سے اعلان کر دیا گیا کہ آپ کے سینوں میں خواہ کتنا ہی علم ہو، ہمارے یہاں معیار قابلیت یونیورسٹی کا امتحان ہے۔

جن کا نصب العین ملازمت تھا:

جن غریبوں کا نصب العین ہی ملازمت تھا یا لیلیٰ تدریس کی منزل ہی کو مقصود زندگی بنا چکے تھے، ان کو دارالعلوم دیوبند کے وقار اور احترام سے کیا غرض۔

بلا سوچے سمجھے داعی شیطنت کی فرعونی ندا پر لبیک کہا اور یونیورسٹی کے امتحان میں شرکت کر کے اول درجہ کی کامیابی حاصل کر لی۔

اب ایک جماعت ہائی اسکولوں اور کالجوں میں پہنچی، جس نے کھلم کھلا اپنی تمام علمی برتری نہیں بلکہ حاصل کردہ ''وراثت نبوت'' کو معاذ اللہ انگریز کے قدموں پر نثار کر دیا، یہ وہی اسکول اور کالج ہیں جن کے متعلق اکبرالہ آبادی نے کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کی فرعون کو کالج نہ سوجھی

سیکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ تدریس کے شوق میں علم حاصل کیا، فراغت کے بعد ایک عرصہ تک کسی عربی مدرسہ میں ملازمت کی تلاش رہی، محبوبہ تدریس کے عشق نے کسی اور سلسلہ کی جانب توجہ کی فراغت بھی نہ دی، مگر تعلیم وتدریس سے اس چند سالہ بے تعلقی نے رفتہ رفتہ علم کی تازگی کو ختم کر دیا، اب اگر کسی مدرسہ میں جگہ مل بھی گئی تو نا قابلیت کے الزام میں جلد ہی خارج کر دیا گیا۔

ضروریات ملت میں امام صاحب مقتدی ہوتے ہیں:

چند سالہ جدوجہد کے بعد ضرورت معاش عشق تدریس پر غالب آگئی تو کسی مسجد کی بامشاہرہ خطابت یا امامت کو غنیمت سمجھ لیا گیا، فی الواقع یہ منصب امامت بہتر تھا اگر نماز کی طرح دیگر امور ملی وضروریات مذہبی میں شان امامت باقی رہتی، مگر بسا اوقات امامت صرف نماز میں یا چند اختلافی مسائل میں منحصر ہوجاتی ہے دیگر ضروریات ملت میں امام صاحب مقتدی ہوتے ہیں اور جماعت یا منتظمان مسجد امام ہوتے ہیں، بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ آزاد مدارس عربیہ کے فضلاء نے فکر معاش سے مجبور ہو کر میونسپلٹی یا ڈسٹرکٹ بورڈ کی پرائمری مکاتب کی ملازمت ہی کو ذریعہ معیشت قرار دیا، کاش یہ حضرات ابتدا ہی سے نص قرآنی کے بموجب انذار واصلاح کو اپنا

نصب العین قرار دیتے اور تحصیل علم کے بعد اپنے وطن عزیز میں پہنچ کر سب سے پہلے وہاں کی اصلاحی ضرورتوں پر نظر ڈالتے اور انہیں اصلاحات کے پیش نظر مدرسہ یا مکتب، یا تبلیغی ادارہ قائم کرکے ذریعہ معاش بھی فراہم کرلیتے اور فرض منصبی کو بھی ادا کرتے۔

ضرورت کی جگہ پر ادارے کا قیام:

اگر اپنی بستی میں پہلے سے کسی ادارہ کے قیام کے باعث ضرورت نہ ہوتی تو قرب وجوار کے جس مقام پر ضرورت ہوتی وہاں پہنچ کر کسی دارالعلوم کے قیام یا اپنے صنم علم پرستش کے لیے نہیں بلکہ وہاں کے مسلمانوں کی ملی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے وہاں کی ضرورت کے موافق ادارہ قائم کرتے اور ارشاد الٰہی "وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ" کی تکمیل کی ابدی سعادت حاصل کرلیتے۔

اور ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ اس قرآنی فلسفہ کو سمجھ کر کام کیا گیا، تو دنیاوی اعتبار سے بھی کامیابی حاصل کی، اور توقع ہے کہ آخرت میں بھی یہ حضرات کامیاب ہوں گے۔

دارالعلوم کا حیات پرور مقصد ہمارے سامنے نہیں:

اس تمام کج روی اور بے راہی کا سبب صرف ایک ہے اور وہ یہی کہ ہم ابتداء سے اپنا نصب العین متعین نہیں کرتے، دوم یہ ہم دارالعلوم کو صرف ایک درسگاہ سمجھتے ہیں جس میں مختلف ممالک کے بہت سے طلبہ پڑھتے ہیں، وہاں اساتذہ بہت بہترین اور اس کی سند تمام مدارس عربیہ میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

وہ اعلیٰ وارفع اور حیات پرور مقصد جس کے لیے دارالعلوم دیوبند قائم کیا گیا اور جس کی تکمیل ہر ایک فرزند دارالعلوم کا فرض ہے، ہمارے سامنے قطعاً نہیں ہوتا۔

تلاش ملازمت میں مجھے زیادہ دشواری نہیں پیش آئی:

میں اعتراف کرتا ہوں کہ میری حالت بھی وہی رہی جو دارالعلوم کے کسی ایک طالب علم کی ہوسکتی ہے، بلاشبہ یہ خداوندی فضل وکرم ہے کہ تلاش ملازمت میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی اور حضرت سیدی العلامۃ الاستاذ مولانا محمد اعزاز علی صاحب مدظلہ العالی، نیز استاذ العلماء فخر المحدثین حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی توجہات سے تدریس کا بہتر منصب میسر آ گیا۔

البتہ اسلام کی بہتر خدمت کا شوق ابتداء سے تھا، اور ابتک ہے، اور یہی دعا رہی اور ہے کہ ملت بیضاء کی اعلیٰ اور احسن خدمت کی توفیق عطا ہو۔

البتہ تقریباً اٹھارہ سال کے مختلف تجربوں اور ہندوستان کے مختلف گوشوں کے حالات کے مشاہدہ نے ایک خاص درد پیدا کردیا ہے جس کے لئے دوا کی تلاش ہے:

میں بلبل نالاں ہوں اس اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

دارالعلوم میں درجہ تکمیل کا قیام:

معلوم ہوا ہے کہ حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند ودیگر اکابر درجہ تکمیل قائم کرنا چاہتے ہیں، یہ درحقیقت احقر جیسے دلدادگان اضطراب کے لیے مژدہ جاں بخش ہے، خدا کرے کہ یہ ارادہ جلد از جلد منصۂ تکمیل پر جلوہ افروز ہو، یہ نوید جاں افزا، تمناؤں کی ایک نئی دنیا سامنے کردیتی ہے، اور فکر وتخیل کا طائر بلند پرواز وہ نشاط حاصل کرتا ہے جو کسی طرح بھی قلم کے خطوط ونقوش میں اسیر نہیں ہوسکتا مختصر طور پر یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آج ہم فرزندان وہی خواہاں دارالعلوم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دور پرفتن وپرآشوب میں صرف دارالعلوم دیوبند ہی حامی ملت اور محافظ دین ہے، دارالعلوم دیوبند کے ارباب حل وعقد بھی یہی فرماتے ہیں اور اسی کا اعلان کرتے ہیں، اور بلاشک وشبہ واقعہ بھی یہی ہے کہ ۹۷ رسال کے اس طویل دور میں صرف دارالعلوم ہی محافظ ملت رہا اور اسی نے مسلمانوں کے سامنے مذہبی اور ملی ترقی کی صحیح راہ عمل پیش کی اور مسلمانوں نے مذہب وملت کے لحاظ سے جو کچھ ترقی کی وہ صرف اسی ایک مرکز کے ذریعہ سے۔

دارالعلوم اسلامی تہذیب کا قلعہ معلّٰے:

لیکن اس واقعی حقیقت کے باوجود انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہم عزم کی

کمزوری میں مبتلا ہیں، ہم اس حقیقت کو مبالغہ تصور کرتے ہیں، ہمیں شک وشبہ کی ہر آلائش سے پاک ہوکر یہی یقین رکھنا چاہئے کہ دارالعلوم اور صرف دارالعلوم ہی حفاظت وترقی ملت کے لیے قائم کیا گیا ہے اور یوم آغاز سے ہی آج تک صرف دارالعلوم ہی حفاظت وترقی کا واحد ذمہ دار رہا، اور یہی مرکز علوم، قرآنی علوم اور اسلامی تہذیب کا قلعہ معلے اور ترقی ملت کا محور رہے گا، اس پختگی عقیدہ اور اس اذعان ویقین کالازمی نتیجہ ہوگا کہ ملت اسلامیہ ہندیہ کی تمام ضرورتیں ہمارے سامنے آئیں گی اور ہر ایک ضرورت کا ترقی پذیر لائحہ عمل ہم مرتب کریں گے، اور ملت بیضا کو موجودہ پستی واضمحلال سے نکال کر عروج کی سب سے اونچی سطح پر پہنچادیں گے۔

مبلغین کی ضرورت او رتقسیم:

ہم محسوس کریں گے کہ ملت بیضاء کو مبلغین کی شدید ضرورت ہے، علاوہ ازیں سیاست اور اقتصادیت اور معیشت میں بھی وہ ہماری رہنمائی کے بغیر موت کے کنارہ پرپہنچ چکی ہے۔

ہم مبلغین کو چند جماعتوں پر تقسیم کریں گے کیونکہ تبلیغ کے چند میدان بیک وقت نہایت اہمیت کے ساتھ ہمارے سامنے آئیں گے۔

(۱) مسلمانوں میں تبلیغ۔

(۳) غیر مسلم برادران وطن میں تبلیغ۔

(۳) بیرونی ممالک میں تبلیغ۔

ایک ہی شخص ہر ایک حلقہ میں تبلیغ نہیں کرسکتا، ہم طلبہ کی طبائع کا امتحان کریں گے، اور پھر طبعی مناسبت کے بموجب درجہ تکمیل میں ان کی تربیت کریں گے، اور سختی کے ساتھ دعوی ہمہ دانی سے نہیں روکیں گے۔

تقسیم کار کے اصول کا سختی سے پابند ہونا چاہئے:

آج سیاست سے قطعاً غیر متعلق علماء کرام سیاسیات میں فتاوی صادر کرکے اپنی جماعت میں اختلاف وافتراق کا سبب بن جاتے ہیں اور اسی طرح سیاسیات میں منہمک ناقص الاستعداد حضرات اختلافی عقائد میں فیصلے صادر کرکے جماعت کے عقائد کو کمزور کردیتے ہیں، ہمیں تقسیم کار کے اصول کا سختی سے پابند ہونا چاہئے اور درجہ تکمیل کے طلبہ کو اسی کا عادی بنائیں، تبلیغ کے لئے قرآن پاک کے اس کامیاب اصول کا لحاظ رکھنا اتنا ہی ضروری ہوگا جتنا کہ کامیابی کو ضروری سمجھا جائے گا۔

ارشاد ربانی ہے "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِن رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ" واقفیت زبان کے ساتھ لازمی ہے کہ قوم کے عادات وخصائل، اس کے مزاج عقلی، اس کی تاریخ اور اس کی نفسیات سے مبلغ پوری طرح واقف ہو، ورنہ کامیابی محال ہے "وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْھِمْ" غالبًا اسی جانب اشارہ ہے۔

سفیدفام اقوام کے دل سیاہ ہوتے ہیں:

یورپ نے دعوت اسلام کو قبول نہیں کیا، اور یہی وہ براعظم ہے جہاں دعوت اسلام ناکام رہی حتی کہ صدہا سال اندلس میں شاندار حکومت کے بعد نہایت غداری اور سفاکی سے ایک ایک مسلمان کو ختم کیا گیا، تاریخ نے واضح کردیا کہ سفید فام اقوام کے دل اتنے ہی سیاہ ہوتے ہیں کہ جتنا کہ وہ اپنی رنگت کے معبود باطل کے پرستار ہیں، سنگ سیاہ اگر آبگینہ بن جائے تو شاید اس کی اصلاح بھی ہوسکے۔

زمین شور سنبل بر نیارد ❁ درو تخم عمل ضائع مگردان

شاداب وزرخیز وادیوں کی تلاش:

لہٰذا ہمیں وہ شاداب اور زرخیز وادیاں تلاش کرنی ہیں، جہاں تخم عمل بارآور ہوسکے، جزائر مشرق سے پھر ایک چشمہ ابل رہا ہے جیسا کہ چھ صدی پیشتر جب اسی گوشہ سے ایک سیلاب اٹھا تھا، اور ہر ایک دشت اور وادی کو تہہ وبالا کرتا ہوا جب بحیرہ اسلام میں جاکر گرا تھا، تو اگرچہ ایک مرتبہ سارے بحیرہ کو تہہ وبالا کردیا؛ لیکن اسی جھکولے سے بحر اسلام میں ایک طوفان پیدا ہوا، کچھ وقفہ کے بعد دیکھا گیا تو سمندر کی موجیں ٹھاٹھیں ماررہی تھیں اور سیلاب کا نام ونشان بھی مشکل سے ملتا تھا۔

تبلیغ کے بعد دوسرا درجہ اسلامی سیاست کا ہے:

آج بھی وہی قرآن ہے، وہی اسلام ہے، وہی زمین ہے، وہی

آسمان ہے، وہی مشرق اور وہی مغرب ہے، پھر نا امیدی کے کیا معنی "لَاتَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللّٰهِ، لَاتَيْئَسُوا مِن رُّوحِ اللّٰهِ، اِنَّهُ لَايَيئَسُ مِنْ رُوحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ" کسی قوم کی اصلاح کے لیے اسی قوم کے نوجوان، جواہر بے بہا ہیں، جس قیمت پر بھی میسر آجائیں ارزاں ہیں، تبلیغ کے بعد دوسرا درجہ اسلامی سیاست کا ہے جس کے لیے اسلام کے سیاسی نظریات کی پختگی اور پھر ان کے لئے جذبہ عمل وغیرہ کے ساتھ، یہ بھی ضروری ہے کہ اس مکروفریب اور دھوکے بازی و ڈپلومیسی کے جس کا مرکز یورپ ہے اور جس کو آج کل سیاست کہا جاتا ہے، اصل خزانوں سے بھی براہ راست واقفیت ہو، تراجم کی حیثیت پوست سے زیادہ نہیں، حالانکہ کامیاب مدافعت کے لیے مغز کی ضرورت ہے۔

سیاست کی طرح یہ بھی لازم ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام کو دنیا کے سامنے رکھ کر ان تمام گتھیوں کو سلجھایا جائے جو آج ساری دنیا کو نمونہ جہنم بنائے ہوئے ہیں۔

اسلامی اصول پر عمل سلسلہ اقتصاد کی بہت سی الجھنوں سے نجات کا ذریعہ:

اسلام کا اصول ہے کہ سونے کی بیع سونے سے چاندی کی بیع چاندی سے صرف اسی وقت جائز ہے جب دونوں ہم وزن ہوں، کمی بیشی اور ادھار حرام ہے، مجھے یقین ہے اور میرے ضمیر کو پورا اطمینان ہے کہ اگر صرف اسی اصول پر عمل کیا جائے تو سلسلہ اقتصاد کی بہت سی الجھنوں سے ساری دنیا نجات پا جائے، سکہ کی قیمت، سود، نوٹ، تبادلہ کی وہ صورتیں جن کو شریعت غراء نے 'ربوا' قرار دیا ہے، آج دنیائے انسانیت پر آگ وخون کی بارشیں برسا رہی ہیں اور "يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا" کا پر ہیبت نظارہ خرمن تمدن کو برق ہلاکت کی نذر کر رہا ہے۔

لیکن میں اپنے اس یقین واطمینان کی کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا، کیونکہ میں اقتصادیات کا ماہر نہیں:

زبان یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم

قرآن پاک "تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْئٍ" ہے، یقیناً اس کی مقدس تعلیم ان تمام گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے، لیکن اگر ہم اس علم سے نا آشنا ہیں، تو کیا یہ غلط ہے کہ پوری اسلامی جماعت ایک فرض کفایہ کی ادائیگی سے قاصر ہے، جو لامحالہ موجب گناہ ہے۔

مسلمان گریجویٹوں کا حال:

علماء ملت پر دقیانوسیت کا الزام لگانے والے بھی افسوس یہ ہے کہ کوئی مفید کارنامہ ملت کے سامنے پیش نہیں کر سکے، اور بالخصوص مسئلہ اقتصادیات، اور "کرنسی" تو وہ پیچیدہ چیز ہے جس کا یا تو صحیح علم ہندوستانیوں کو بتایا نہیں جاتا اور یا اس فن سے مسلمان گریجویٹوں کے پتے جلتے ہیں کیونکہ وہ حساب وریاضی میں عموماً کمزور ہوتے ہیں، انہیں صرف انہیں ناتمام اور لغو چیزوں سے شغف ہوتا ہے، جو ان کی اسلامی تہذیب، آبائی توقیر اور خاندانی کلچر کو برباد کردے، اور وہ ان چیزوں کے پاس بھی نہیں پھٹکتے جو ملت کے لیے مفید ہوسکیں۔

درجہ تکمیل کا اہم اور مقدم مقصد:

بہر حال وہ جو کچھ بھی کریں ہمارے لئے عذر نہیں ہوسکتا، کیونکہ ملت کی ذمہ داری بانی ملت نے ان اغراض پرستوں اور ضمیر فروشوں کے سر نہیں ڈالی، یہ فریضہ تو صرف علماء امت ہی پر عائد ہوتا ہے کیونکہ وہی وارث انبیاء علیہم السلام ہیں۔

تبلیغ، سیاست اور اقتصادی تعلیم کے ساتھ درجہ تکمیل میں اس اہم ترین مقصود کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے، جو بعثت رحمۃ للعالمین کا اصل منشاء ہے، یعنی مکارم اخلاق، ظاہر ہے کہ روحانیت، اخلاق فاضلہ، ملکات قدسیہ بھی اصلی اور حقیقی مقاصد ہیں، اور جملہ علوم وفنون، آلات واسباب کے درجہ میں اور صرف اسی حیثیت میں وہ مستحق ثواب ہوسکتے ہیں، کہ ان کو ذریعہ تسلیم کیا جائے ورنہ وہ "حجاب اکبر" ہیں۔

لہٰذا درجہ تکمیل کا سب سے اہم اور سب سے مقدم مقصود، تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق اور روحانی ملکات کی تربیت ہونی چاہئے، اور اسی نصب العین کو مدنظر رکھ کر اس درجہ کے پورے نظام کی تربیت ہونی ضروری ہے۔

اصلاحیات

خلافت انسان اور عداوت شیطان

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

تخلیق آدم علیہ السلام:

حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ملائکہ اور جنات شب وروز عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے، حمد وثنا بیان کرتے تھے، ایسے میں اللہ تعالی نے فرشتوں کو اپنے ارادہ یعنی انسان کی تخلیق کے بارے میں اطلاع دی، یہ اطلاع پاتے ہی فرشتے اپنے ناقص علم کی بنا پر پکار اٹھے ''تو زمین میں ایسی مخلوق کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو اس میں فساد پھیلائے اور خون بہائے''، جہاں تک عبادت کا تعلق ہے تو ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں اور پاکی بیان کرتے ہیں، ملائکہ کے نزدیک انسان کی تخلیق کا کوئی جواز نہ تھا، لیکن اللہ تعالی نے جو اپنے علم میں کامل اور آئندہ کے حال سے باخبر ہے تخلیق انسانی کا ارادہ اپنی پوشیدہ حکمت کے تحت کیا جس سے فرشتے بے خبر تھے لہٰذا فرشتوں کے سوال پر اللہ تعالی نے فرمایا ''اِنِّی اَعْلَمُ مَالَاتَعْلَمُوْنَ'' بے شک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔

دراصل عبادت کے علاوہ اس نئی مخلوق انسان سے خلافت کا کام لیا جانا تھا اس لئے جن قوتوں اور صلاحیتوں کی ضرورت تھی وہ فرشتوں کے اندر موجود نہ تھی، حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالی کی سب سے پہلی انسانی تخلیق ہیں، آپ اللہ تعالی کے پہلے پیغمبر اور تمام انسانوں کے باپ ہیں، ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں حضرت آدم علیہ السلام کو نہ صرف پہلا انسان ہونے کا شرف حاصل ہے بلکہ آپ روئے زمین پر قدم رکھنے والے سب سے پہلے انسان ہیں، اللہ تعالی نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کی ۲۵/ آیات میں ۲۵/ بار آپ کا ذکر فرمایا ہے، قرآن پاک کی دوسری سورت سورۂ بقرہ میں سب سے پہلے جس نبی کا ذکر کیا گیا ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں۔

آدم علیہ السلام کا قالب گیلی مٹی سے تیار کیا گیا جو ہر قسم کی تبدیلی قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، جب وہ مٹی پختہ ٹھیکری کی طرح کھن کھن بجنے لگی تب اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے روح کو آدم علیہ السلام کے جسم میں داخل ہونے کا حکم دیا، روح کے جسم میں داخل ہوتے ہی وہی قالب ایک زندہ متحرک عقل وہوش روح والا انسان بن گیا۔

خلقت آدم کی غایت:

آدم اور نسل آدم کے ذریعہ زمین پر خلافت الٰہی کا قیام یعنی خدائی حکومت اور خدائی قانون کا نفاذ ہے۔

فرشتوں اور آدم علیہ السلام کا امتحان:

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آچکی تھی، اللہ تعالی نے اس انسان اول کو اپنی قدرت سے علم عطا کیا، یہ علم کائنات کی تمام اشیاء کے نام صفات اور خصوصیات پر مشتمل تھا جب کہ دوسری طرف فرشتے اس علم سے بالکل ناواقف تھے، آدم علیہ السلام کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے فرشتوں کے سامنے اللہ تعالی نے کائنات کی اشیاء پیش کیں اور فرمایا اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تم منصب خلافت کے فرائض ادا کرنے کے قابل ہو تو ثبوت کے طور پر پہلے ان اشیاء کے نام اور خصوصیات بتلاؤ، فرشتے ان اشیاء کے نام اور خصوصیات بتانے سے قاصر رہے اور ادب کے ساتھ عرض کیا اے اللہ! ہم تو اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہم کو بتا دیا ہے، جب فرشتوں نے اپنی لاعلمی اور معذوری کا اقرار کر لیا تو اللہ جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے آدم! تم ان اشیاء کے نام اور خواص وتاثیرات بتاؤ، آدم علیہ السلام نے جلدی جلدی فرفر وہ سب نام بتا دئے اور خصوصیات بھی بیان کر دیں، حضرت

آدم علیہ السلام امتحان میں کامیاب ہوگئے، اس طرح ملائکہ پر آدم علیہ السلام کی برتری اور ان کا زمین پر خلیفہ بننے کا استحقاق واضح ہوگیا۔

شیطان کی دشمنی:

جب حضرت آدم علیہ السلام کا خلیفہ ہونا مسلم ہو چکا تو فرشتوں اور ان کے ساتھ جنات کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کریں اور ان کو قبلۂ سجود بنائیں، چنانچہ سب نے سجدۂ مذکورہ ادا کیا سوائے ابلیس کے کہ اصل جنات سے تھا، اور ملائکہ کے ساتھ کمال اختلاط رکھتا تھا، سبب اس پر سرکشی کا یہ ہوا کہ جنات چند ہزار سال سے زمین پر متصرف تھے اور آسمان پر بھی جاتے تھے، جب ان کا فساد اور خونریزی بڑھی تو ملائکہ نے بحکم الٰہی بعض کو قتل کیا اور بعض کو جنگل، پہاڑوں اور جزائر میں منتشر کردیا، ابلیس ان میں بڑا عالم وعابد تھا، اس نے جنات کے فساد سے اپنی لاتعلقی ظاہر کی، فرشتوں کی سفارش سے یہ بچ گیا اور ان ہی میں رہنے لگا، اور اس طمع میں کہ تمام جنات کی جگہ زمین پر اب صرف میں ہی متصرف بنادیا جاؤں، عبادت میں بہت کوشش کرتا رہا اور خلافت ارضی کا خیال پکا تارہا، جب حکم الٰہی حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کے لئے صادر ہوا تو ابلیس مایوس ہوا اور عبادت ریائی کے رائیگاں جانے پر جوش حسد میں سب کچھ کیا اور ملعون ہوا، اور آدم واولاد آدم کا کھلا دشمن ہوگیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ"۔ (سورۂ یوسف)

بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، نیز فرمایا: "اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا"۔ (سورۂ فاطر)

بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے، لہٰذا تم اس کو دشمن ہی جانو یعنی اس مشہور دغاباز کے دھوکہ میں مت آؤ، یہ تمہارا ازلی دشمن ہے۔

شیطان ابلیس کا صفاتی نام ہے، ابلیس فرشتہ نہ تھا بلکہ جن تھا جیسا کہ سورۂ کہف میں ہے "کان من الجن" جن کی قسم سے تھا، ابلیس ایک ناری مخلوق ہے، نہ کہ نوری جیسا کہ قرآن مجید میں بار بار اسی کی زبان سے منقول ہے "خلقتنی من نار" تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔

شیطان کا جنت سے خروج اور تخلیق حوا:

اللہ تعالیٰ نے شیطان ملعون سے جب سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت فرمائی تو بجائے معذرت وندامت کے وہ سرکش متکبر اللہ تعالیٰ سے بحث اور مناظرہ میں پڑ گیا اور بولا تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے، اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میرا مادہ تخلیق آدم کے مادہ تخلیق سے اعلیٰ ہے، اس لئے میں اس کے آگے کیسے جھک سکتا ہوں، یعنی اعلیٰ ادنیٰ کو کیسے سجدہ کرے، ابلیس کی سرکشی تکبر اور نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو جنت کے علاقہ سے نکل جا، یہاں تجھے اکڑنے اور تکبر کرنے کا حق نہیں، تو ذلیل اور کمینہ ہے کہ بارگاہ رب العزت میں اکڑ رہا ہے، جنت میں وہی مخلوق رہ سکتی ہے جو مسکین اور منکسر المزاج اور اللہ تعالیٰ کی پوری اطاعت گزار اور فرمانبردار ہو، نافرمان متکبروں کے لیے یہاں گنجائش نہیں، ابلیس لعین کا حسد وکبر اسے لے ڈوبا، چنانچہ شیطان کو جنت سے نکال دیا گیا، اور آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم دیا گیا، نہ صرف یہ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تنہائی دور کرنے کے لئے ان جیسا اور ایک انسان جو جنس میں عورت تھی، حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ہم نے آدم اور اس کی بی بی کو بہشت میں رہنے اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کا حکم دیا، حضرت حوا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا، آپ ہیئت اور شکل میں حضرت آدم علیہ السلام ہی کے جیسی تھیں، اپنا جیسا ساتھی پا کر حضرت آدم علیہ السلام سجدہ شکر بجالائے، اللہ تعالیٰ نے حاملان عرش اور ساکنان سماوات کے روبرو دونوں کا نکاح فرمادیا اور دونوں کو حکم دیا کہ بہشت میں رہیں اور جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں؛ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک درخت کے قریب جانے سے منع فرمادیا کیونکہ اس کا کھانا ان کی بہشتی زندگی اور استعداد کے مناسب نہ تھا، مشہور ہے کہ وہ درخت گیہوں کا تھا یا بقول بعض انگور یا انجیر یا ترنج وغیرہ کا۔ واللہ اعلم

ابلیس کی درخواست:

"قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ" بولا کہ مجھے مہلت دے اس دن تک کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی، بولا جب تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں بھی ضرور بیٹھوں گا ان کی تاک میں، تیری سیدھی راہ پر، پھران پر آؤں گا ان کے آگے سے اور پیچھے سے، اور دائیں سے بائیں سے اور نہ پائے گا تو ان میں اکثروں کو شکرگزار یعنی رہزنوں کی طرح ان کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالوں گا جن کے سبب مجھے یہ روز بد دیکھنا پڑا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا نکل جا یہاں سے مردود ہو کر جو کوئی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں ضرور بھر دوں گا دوزخ کو تم سب سے۔

آدم علیہ السلام کی لغزش:

شیطان جو اپنی آتش کینہ اور حسد کے باعث جنت سے نکال دیا گیا تھا، اب ہر دم اس تدبیر میں رہنے لگا کہ کس طرح آدم علیہ السلام کو اللہ کے حکم کے خلاف شجر ممنوعہ کے قریب لے جائے اور شجر ممنوعہ کو کھانے پر اکسایا جائے تاکہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوا دینے کا سبب پیدا ہو، بالآخر مور اور سانپ سے مل کر بہشت میں گیا اور بی بی حوا کو طرح طرح سے ایسا پھسلایا کہ انہوں نے وہ درخت کھالیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کھلایا شیطان نے ان کو یقین دلایا تھا کہ اس کے کھانے سے اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ مقرب ہو جاؤ گے اور حق تعالیٰ نے جو ممانعت فرمائی تھی، اس کی توجیہہ گھڑ دی اور قسم کھائی حضرت آدم اور حواء علیہا السلام شیطان کی قسموں سے متاثر ہوئے کہ خدا کا نام لیکر کون جھوٹ بولنے کی جرأت کرسکتا ہے، شاید وہ سمجھے کہ واقعی اس کے کھانے سے ہم فرشتے بن جائیں گے، یا پھر کبھی فنا نہ ہوں گے، اور حق تعالیٰ نے جو نہی فرمائی تھی اس کی تعلیل یا تاویل کرلی ہوگی لیکن غالبًا "فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ" اور "اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَنَّةِ فَتَشۡقٰی" وغیرہ سے نسیان ہوا اور یہ بھی خیال نہ رہا کہ وہ جب مسجود ملائکہ بنائے جاچکے ہیں، پھر فرشتے بننے کی کیا ضرورت رہی "فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا الخ" پھر جب چکھا ان دونوں نے درخت کو تو کھل گئیں ان پر شرمگاہیں ان کی اور لگے جوڑنے اپنے اوپر بہشت کے پتے اور پکارا ان کو ان کے رب نے کیا میں نے منع نہ کیا تھا تم کو اس درخت سے اور نہ کہہ دیا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

غلطی کا اعتراف اور معافی کی درخواست اور ندامت:

جب حضرت آدم علیہ السلام نے حق تعالیٰ کا حکم عتاب آمیز سنا اور جنت سے باہر آگئے تو بحالت ندامت گریہ وزاری ہی میں مصروف تھے، اس حالت میں حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے چند کلمات ان کو القاء والہام فرمائے جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی وہ کلمات یہ ہیں: "قَالَ رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡلَنَا الخ" بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ۔

آدم وحواء کی دنیاوی زندگی کا آغاز:

"قَالَ اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ" فرمایا تم اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے، مفسرین کے نزدیک یہ خطاب آدم وحواء علیہما السلام اور ابلیس لعین سب کو ہے کیونکہ اصل عداوت آدم اور ابلیس میں ہے اور اس عداوت کا دنگل ہماری زمین بنائی گئی ہے، جس کی خلافت حضرت آدم علیہ السلام کے سپرد ہوئی تھی، مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم کی توبہ تو قبول فرمائی مگر فی الفور جنت میں جانے کا حکم نہ فرمایا بلکہ دنیا میں رہنے کا جو حکم ہوا تھا اسی کو قائم رکھا کیونکہ مقتضائے حکمت ومصلحت یہی تھا، ظاہر ہے کہ زمین کے لئے خلیفہ بنائے گئے تھے نہ کہ جنت کے لئے۔

ابلیس کے مکروفریب سے بچنے کی تدابیر:

ابلیس کے پاس بڑا لشکر اور بیشمار فوج ہے جس میں سرکش اور خبیث ترین جنات شامل ہیں، ابلیس اور اس کی فوج ہر وقت انسان کے پیچھے لگی رہتی ہے کہ انسان کو جسمانی اور ایمانی دونوں طرح کے

نقصانات پہنچ جائیں، سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ابلیس اور سرکش جنات سے حفاظت کی تدابیر بیان فرمائی ہیں، وہ تدابیر یہ ہیں:

آیت الکرسی:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آیت الکرسی پڑھ کر سوئے گا اس کے پاس تمام رات شیطان نہیں آ سکتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی نگرانی ہوتی ہے۔

سورۂ مومن کی پہلی آیت اور آیت الکرسی سے حفاظت:

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورۂ مومن کے شروع سے ’’الیہ المصیر‘‘ تک اور آیت الکرسی صبح کے وقت پڑھے گا تو ان دونوں کے ذریعہ سے اس کی شام تک حفاظت ہو جائے گی اور جو شخص ان دونوں کو شام کو پڑھے گا تو ان دونوں کے ذریعہ سے صبح تک کے لئے حفاظت ہو جائے گی۔ (ترمذی)

دعاء توحید کے ذریعہ حفاظت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سو مرتبہ ’’لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہٗ الْمُلْکُ وَلَہٗ الْحَمْدُ وَھِیَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٍ‘‘ پڑھے گا تو اس کو دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور اس کے واسطے سو نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور اس کے سو گناہ مٹا دئے جائیں گے، اور اس کے واسطے شام تک شیطان مردود سے مکمل حفاظت رہے گی۔ (بخاری شریف)

شیطان کے گھر:

حدیث شریف سے ثابت ہے کہ شیطان اور سرکش جنات کے رہنے کی جگہ غسل خانہ اور بیت الخلاء ہیں، اس لئے بیت الخلاء اور غسل خانہ میں داخل ہوتے وقت شیطان سے حفاظت کے لئے یہ دعا پڑھی جائے: ’’اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ‘‘ اے اللہ! تیری پناہ چاہتا ہوں سرکش شیطان اور خبیث جنات سے۔

ایک جلیل القدر صحابی کی غسل خانہ میں موت:

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انصار مدینہ میں سے قبیلہ خزرج کے سردار عظیم المرتبت صحابی ہیں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ملک شام کے شہر حوران میں سکونت اختیار فرمائی تھی، ان کی وفات کا عجیب واقعہ ہے، وہ اپنی ضرورت کے لئے غسل خانہ میں داخل ہوئے وہیں ان کی موت واقع ہوگئی اور جس دن ملک شام میں ان کی وفات کا یہ حادثہ پیش آیا تھا اسی دن مدینہ کے ایک کنوئیں میں سے آواز آ رہی تھی:

قَتَلْنَا سَیِّدَ الْخَزْرَجِ سَعْدَبْنَ عُبَادَۃَ
رَمَیْنَاہُ بِسَھْمٍ فَلَمْ نَخطْ فُؤَادَہٗ

ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا اور ہم نے ان کو ایک تیر سے مارا ہے، بس ہم نے ان کے دل کو نشانہ بنانے میں خطا نہیں کی ہے، اس شعر کے سنتے وقت کوئی نظر نہیں آیا اس لئے کہ اس شعر کا پڑھنے والا سرکش جن ہی تھا۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)

شیطان کا کھانا:

جس کھانے پر ’’بسم اللہ‘‘ نہ پڑھی جائے وہ شیطان کا کھانا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لیا کریں کیونکہ بغیر بسم اللہ پڑھے اگر کھانا شروع کر دیا جائے تو شیطان بھی کھانے میں شریک ہو جاتا ہے، اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آ جائے تو پڑھے ’’بسم اللہ اولہ واخرہ‘‘۔ (ابوداؤد شریف)

شیطان کا مشروب:

شراب اور ہر نشہ آور چیز شیطان کے پینے کی چیز ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کو ام الخبائث اور ناپاک چیز فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ’’اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ‘‘ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعہ شراب اور جوئے کے۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

شراب پی کر عقل جاتی رہتی ہے، شرابی پاگل ہو کر لڑ پڑتے ہیں، شیطان کو ادھم مچانے کا خوب موقع ملتا ہے، یہ تو ظاہری خرابی ہے، باطنی

نقصان یہ ہے کہ شرابی خدا کی یاد اور عبادت الٰہی سے بالکل غافل ہوجاتا ہے۔

سفر میں شیطان سے حفاظت:

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو سوار اپنے سفر میں دنیاوی باتوں سے دل ہٹا کر اللہ تعالی کی طرف دھیان رکھتا ہے، اور اس کی یاد میں لگا رہتا ہے، تو اس کے ساتھ فرشتہ رہتا ہے، اور جو شخص واہیات شعروں میں یا کسی اور بیہودہ شغل میں مشغول رہتا ہے تو اس کے پیچھے شیطان لگا رہتا ہے۔ (طبرانی فی الکبیر عن عقبہ بن عامر)

اشعار کی دو قسمیں ھیں:

(۱) وہ اشعار جن میں دینی اور اصلاحی مضامین ہوتے ہیں ان کے ساتھ شیطان کا تعلق نہیں ہوتا جیسے کوئی شخص شعر میں اللہ تعالی کی حمد بیان کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نذرانہ عقیدت پیش کرے یا نیکی کی ترغیب دے یا کفر کی مذمت یا گناہ کی برائی بیان کرے یا کافر کی ہجو کرے یا اس کا جواب دے ایسا شعر برا نہیں ہے، چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ ایسے اشعار کہتے تھے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسان سے فرمایا تھا کہ کافروں کا جواب دو روح القدس تیرے ساتھ ہے۔

(۲) وہ اشعار جن میں کسی کی تعریف یا برائی میں مبالغہ ہو کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا یا کسی کی مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دئے موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، یا کسی مرد و عورت کے درمیان عشق و محبت پیدا کرنے والے ہوں، ایسے اشعار شیطان کے کلام میں شمار ہوتے ہیں، ایسے ہی شاعروں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: "والشعراء یتبعھم الغاؤن" شعراء وہی ہوتے ہیں جن کی اتباع گمراہ اور بے راہ رو لوگ کرتے ہیں۔

شیطان کا نومولود بچہ کو کچوکے لگانا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدم کے ہر بچہ کی کوکھ میں شیطان اپنی دو انگلیوں سے کچوکا مارتا ہے، جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے علاوہ حضرت عیسی بن مریم کے کہ ان کو کچوکے مارنے لگا تھا لیکن اس کا کچوکا پردے میں پڑ گیا۔

شیطان مردود ایسا بے رحم ہے کہ معصوم بچہ جو ابھی پیدا ہوا ہے اس کو جا کر نقصان پہنچانے اور تکلیف دینے لگتا ہے، شیطان کو بھگانے کا علاج اذان ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کے داہنے کان میں اذان دی جائے اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے، اذان دینے سے دو فائدے ہیں:

(۱) بچہ کے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے اس کے کان میں اللہ کا نام سنائی دیتا ہے۔

(۲) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اذان سن کر شیطان ایسا بھاگتا ہے کہ اس سے آواز کے ساتھ ریح خارج ہونے لگتی ہے۔

شیطان کے تجربات کا نچوڑ:

ایک دفعہ شیطان کی حضرت موسی علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے پوچھا تو کون ہے وہ کہنے لگا میں شیطان ہوں، انہوں نے فرمایا تم لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے بڑے ڈورے ڈالتے پھرتے ہو تمہارے تجربہ میں کونسی بات آئی ہے، وہ کہنے لگا آپ نے تو بڑی عجیب بات پوچھی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اپنی ساری زندگی کا تجربہ بتادوں حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا پھر کیا ہے بتادے، کہنے لگا تین باتیں میرے تجربات کا نچوڑ ہیں۔

پہلی بات یہ ہے اگر آپ صدقہ کرنے کی نیت کرلیں تو فوراً دے دینا کیونکہ میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ نیت کرنے کے بعد انسان کو بھلا دوں جب میں کسی کو بھلا دیتا ہوں تو پھر اسے یاد ہی نہیں آتا کہ میں نے نیت کی تھی یا نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب آپ اللہ تعالی سے کوئی وعدہ کریں تو اسے فوراً پورا کردیں کیونکہ میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ میں اس وعدے کو توڑ دوں مثلاً کوئی وعدہ کرے کہ اے اللہ! میں گناہ نہیں

کروں گا، تو میں خاص محنت کرتا ہوں کہ وہ اس گناہ میں ضرور مبتلا ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھنا کیونکہ میں مرد کی کشش عورت کے دل میں پیدا کردیتا ہوں اور عورت کی کشش مرد کے دل میں پیدا کردیتا ہوں میں یہ کام اپنے چیلوں سے نہیں لیتا، میں بذات خود یہ کام کرتا ہوں۔ (اہل دل کے تڑپا دینے والے واقعات)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت اجنبیہ سے منع فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ ہرگز تنہائی اختیار نہیں کرے گا مگر ان دونوں کے ساتھ تیسرا ضرور شیطان ہوتا ہے۔ (ترمذی شریف)

شیطان کا نمازی کے دل میں خطرات پیدا کرنا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نماز کیلئے اذان دی جاتی ہے، تو شیطان پشت پھیر کر بھاگتا ہے، اس حال میں کہ اس سے آواز کے ساتھ ریح خارج ہوتی ہے، پھر جب اذان مکمل ہو جاتی ہے تو واپس لوٹ آتا ہے، پھر جب نماز تکبیر کہی جاتی ہے تو پھر اسی طرح پشت پھیر کر بھاگتا ہے، جب تکبیر مکمل ہو جاتی ہے تو واپس لوٹ آتا ہے یہاں تک کہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان تشویش اور خطرات پیدا کرتا ہے، اس کو یاد کر، اس کو یاد کر یہاں تک کہ نمازی کو یہ بھی یاد نہیں رہتا، تین رکعت پڑھی ہیں یا چار رکعت پڑھی ہیں۔ (بخاری شریف)

انسان کے کان میں شیطان کا پیشاب کرنا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا تذکرہ کیا گیا کہ وہ صبح تک سوتا رہا فجر کی نماز میں نہیں آیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ (بخاری شریف)

معلوم ہوا کہ جو لوگ صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں ان کو جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں ان میں اکثر و بیشتر میں شیطان کے اثرات کا دخل ہوتا ہے۔

انسان کی ناک میں شیطان کا رات گزارنا:

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو اور پھر وضو کرنے لگے تو ضرور تین مرتبہ ناک جھاڑ لے، اس لئے کہ شیطان اس کی ناک کے بانسے میں رات گزارتا ہے، جب وضو میں ناک اچھی طرح جھاڑ لی جائے تو شیطان کے اثرات صاف ہو جاتے ہیں۔

انسان کی گدی میں شیطان کا گرہ لگانا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان تم میں سے کسی کے سر کی طرف سے گدی پر تین گرہ لگاتا ہے، جب وہ سوتا ہے پھر گرہ پر تھپکی مارتے ہوئے کہتا ہے کہ ابھی رات لمبی ہے سوتے رہئے، پھر اگر سویرے بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے (بیداری کے وقت کی دعا پڑھتا) تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر جب نماز شروع کرتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے پھر وہ اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ طبیعت میں نشاط اور صحت کے ساتھ خوشی ہوتی ہے ورنہ اس حالت میں صبح کرے گا کہ کسل اور سستی کی حالت میں جی متلاتے ہوئے طبیعت بھاری ہو جائے گی۔ (بخاری شریف)

شام کے وقت بچوں کے باہر نہ نکلنے کی ہدایت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب شام کا وقت یعنی رات کا بالکل ابتدائی حصہ ہو تو بچوں کو گھر سے باہر نکلنے سے روکو اس وقت شیاطین پھیل جاتے ہیں، پھر جب کچھ وقت گزر جائے تو انہیں چھوڑ دو (یعنی باہر نکلنے کی اجازت دیدو) اور بسم اللہ پڑھ کر دروازہ بند کر دو اور بسم اللہ پڑھ کر (سوتے وقت) چراغ بجھا دو اور بسم اللہ پڑھ کر مشکیزہ کا منہ باندھ دو اور بسم اللہ پڑھ کر (کھلے ہوئے) برتن ڈھانک دو اور اگر اس وقت ڈھانکنے کیلئے کچھ نہ ملے تو چوڑائی میں برتن پر کچھ رکھ دو، اس ہدایت پر عمل نہ کرنے سے بعض مرتبہ بچوں کو شدید تکلیف پہنچ جاتی ہے،

آسیب، جن، بھوت وغیرہ کا اثر ہو جاتا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی پر شیطان کا داؤ:

ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جنگل میں مراقبہ کر رہے تھے، اچانک ایک نور نے ماحول کو منور کر دیا، حضرت متوجہ ہوئے تو آواز آئی اے عبدالقادر! ہم تیری عبادت سے اتنے خوش ہیں کہ ہم نے تم سے قلم اٹھالیا، اب تو جو چاہے کر، تیرے گناہ تیرے نامہ اعمال میں نہیں لکھے جائیں گے، جب شیخ عبدالقادر جیلانی نے یہ بات سنی تو آپ نے اس بات کو قرآن وحدیث پر پیش کیا، جو سچے گواہ ہیں، ایک آیت سامنے آئی کہ اللہ تعالی نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا"واعبد ربك حتى ياتيك اليقين" اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ عبادت کرتے رہئے یہاں تک آپ اسی حالت میں دنیا سے پردہ فرمائیں، شیخ عبدالقادر جیلانی نے سوچا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یہ حکم دیا گیا ہے، پھر عبدالقادر جیلانی کی یہ مجال کہاں کہ اس سے قلم ہٹالیا جائے، لہٰذا سمجھ گئے کہ یہ تو شیطان کا چکر ہے، انہوں نے فوراً پڑھا "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" یہ کلمات شیطان کے لئے توپ کے گولے کی طرح ہیں، چنانچہ جب یہ گولہ لگا وہ بھاگ کھڑا ہوا مگر بھاگتے بھاگتے دوسرا فائر کیا، کہنے لگا عبدالقادر میں نے اپنے اس حربہ سے ہزاروں اولیاء کو دھوکے دئے مگر تو اپنے علم کی وجہ سے بچ گیا، آپ نے پھر پڑھا "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کہا او مردود! میں اپنے علم کی وجہ سے نہیں بچا بلکہ میں اپنے پروردگار کے فضل سے بچا ہوں۔

بخشش خداوندی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان نے اپنے پروردگار عزوجل سے کہا قسم ہے تیری عزت وجلال کی میں ہمیشہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہوں گا، جب تک ان کی روحیں ان کے اندر رہیں گی، اس پر پروردگار جل مجدہ نے فرمایا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے میں انہیں برابر بخشتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمِ

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۲۰/روپئے
۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰/روپئے
۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۵/روپئے
۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰/روپئے
۵- رہنمائے سلوک وطریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۲۰/روپئے
۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات، عربی) ۱۰/روپئے
۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰/روپئے
۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں وغیرہ، عربی) ۲۰/روپئے
۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۲۰۰/روپئے
۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۱۰۰/روپئے
۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۱۰۰/روپئے
۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۱۰/روپئے
۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۱۰/روپئے
۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۱۰/روپئے
۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (انیس بزرگوں کے حالات) ۱۵۰/روپئے
۱۶- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷/مضامین کا مجموعہ) ۳۰/روپئے
۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰/بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰/روپئے
۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰/روپئے
۱۹- افکار دل (۳۰/تقریروں کا مجموعہ) ۱۰۰/روپئے
۲۰- تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ۲۰۰/روپئے
۲۱- مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ ۲۰/روپئے
۲۲- سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰/روپئے
۲۳- میری والدہ مرحومہ (نقوش وتأثرات) ۱۵/روپئے
۲۴- قادیانیت نبوت محمدی کے خلاف بغاوت ۱۰/روپئے
۲۵- لڑکیوں کی اصلاح وتربیت ۱۵/روپئے
۲۶- تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری ۱۰/روپئے
۲۷- نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالا ۲۰۰/روپئے
۲۸- ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری ۲۵/روپئے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

ابوامامہ ندوی

نام کتاب: ۴۸؍سال شفقتوں کے سائے میں

مؤلف: حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

صفحات: ۸۷۲؍ قیمت: ۳۵۰

ناشر: مکتبہ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ

پیش نظر کتاب ولی کامل، ادیب زماں، خطیب عصر حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شاہکار کتاب ہے، جس میں حضرت مصنف محترم نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ کی شفقتیں، عنایتیں، توجہات اور تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں حضرت مولانا کی خصوصی فکر کے بارے میں تفصیل سے تحریر فرمایا ہے، پھر تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت کی سرپرستی ونگرانی میں علمی سفر کا آغاز، ادبی اور تصنیفی ذوق کے سلسلہ میں آپ کی محنت، عربی زبان وادب میں مہارت کے سلسلہ میں عرب دنیا کا سفر، پھر دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی زندگی کا آغاز، عربی زبان وادب کی اشاعت وتبلیغ کے سلسلہ میں عربی مجلّے کا اجراء، تصنیف وتالیف اور ندوہ کی مسجد کی امامت وخطابت جیسی عظیم الشان ذمہ داری اور اکابر علماء اور معاصر شخصیات کے سلسلہ میں تعارفی مضامین جیسی چیزیں اس کتاب میں تحریر فرمائی ہیں، گویا کہ حضرت مفکر اسلام کی زیر سرپرستی آپ نے جو ۴۸؍سال گزاریں ہیں ان میں آپ نے کیا پایا، کیا تجربات ہوئے، کیا باتیں پیش آئیں، وہ سب اس کتاب میں درج فرمادی ہیں، اس طرح یہ ایک عمدہ معلوماتی انسائیکلوپیڈیا ہے، جو تینتیس ابواب پر مشتمل ہے، حضرت مولانا نے اس کتاب میں اپنی زندگی کے تجربات اور پیش آمدہ واقعات سے بہت ہی خوش اسلوبی سے نتائج اخذ کئے اور پورے خلوص کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کردے، بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی حفظہ اللہ تعالی ایک انتہائی مخلص عالم دین، زبردست ادیب اور بہترین خطیب ہیں، بڑے مرنجا مرنج طبیعت کے حامل، انتہائی متواضع شخصیت ہیں، راقم نے طالب علمی کے زمانہ میں بھی آپ کی شفقتیں اور عنایتیں حاصل کیں اور رسمی فراغت کے بعد بھی آپ کی عنایتوں اور توجہات سے محظوظ ہوا اور ہورہا ہوں، اتنا مخلص، منکسر المزاج، بےلوث، بےغرض انسان ملنا مشکل ہے، واقعی حضرت مولانا کی یہ پوری کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، آپ نے دل نکال کر رکھنے کی کوشش کی ہے، مندرجہ ذیل ابواب کی تفصیل سے اندازہ لگانا آسان ہے:

پہلا باب: تعلیمی ادوار۔

دوسرا باب: حضرت مولانا کی خدمت میں بغرض استفادہ حاضری۔

تیسرا باب: ادبی سرگرمیاں۔

چوتھا باب: مسلم مسائل کے بارے میں حضرت مولانا کی فکرمندی اوران کے حل کی تلاش۔

پانچواں باب: سفر بغداد اوراس کے بعد کے حالات۔

چھٹا باب: تعزیتی فضا اور کچھ ضروری دینی اور دعوتی اسفار۔

ساتواں باب: دیار مغرب وبلاد عربیہ کے اسفار اور متعدد سرگرمیاں۔

آٹھواں باب: حضرت مولانا کے چند دعوتی اسفار۔

نواں باب: مصرواسرائیل جنگ۔

دسواں باب: ملک میں بےاطمینانی کی کیفیت اور حضرت مولانا پراس کا اثر۔

گیارہواں باب: حضرت مولانا کے کچھ بیرونی اسفار۔

بارہواں باب: تاریخ ندوۃ العلماء کا ایک زریں ورق۔

تیرہواں باب: ملک میں ایمرجنسی کی فضا اور حضرت مولانا کا اضطراب۔

چودہواں باب: حضرت مولانا علی میاں صاحب کی دعوتی کوششوں کا تسلسل اور متعدد اسفار۔

پندرہواں باب: علمی وادبی سرگرمیاں اور بعض اہم شخصیات کی وفات۔

سولہواں باب: حضرت مولانا کی بیرونی دعوتی سرگرمیاں۔

سترہواں باب: ہندوستان میں تحفظ ملت اسلامیہ کے لئے حضرت مولانا کی زبردست کوششیں۔

اٹھارہواں باب: مفکر اسلام اور بعض دعوتی اسفار۔

انیسواں باب: حضرت مولانا کی چند اہم سیمیناروں میں شرکت۔
بیسواں باب: ملک کی خطرناک صورت حال اور حضرت مولانا کا قائدانہ کردار۔
اکیسواں باب: بابری مسجد کے قضیہ میں حضرت مولانا کی شب روز مصروفیت۔
بائیسواں باب: حضرت مولانا ایک جہاں دیدہ عالم وداعی۔
تئیسواں باب: حضرت مولانا کی بے مثال شفقت کا ایک تابندہ نقش۔
چوبیسواں باب: ملک وبیرون ملک کی چند اہم شخصیات کا ذکر وفات۔
پچیسواں باب: حضرت مولانا کی شفقتوں کے سائے میں مسلمانوں کے لئے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارہ کا قیام۔
چھبیسواں باب: کلید بردار کعبہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔
ستائیسواں باب: چند اہم شخصیات کی رحلت۔
اٹھائیسواں باب: دعوت اسلامی کانفرنس اور ندوۃ العلماء میں علماء کا اجتماع۔
انتیسواں باب: عقیدۂ توحید کی حفاظت اور حضرت مولانا کی اس بارے میں حساسیت۔
تیسواں باب: عالم اسلام کی ممتاز علمی اور اسلامی شخصیت۔
اکتیسواں باب: مردمومن کا سفر آخرت۔
بتیسواں باب: حضرت مولانا کے حادثۂ وفات کے بعد چند تاثراتی تحریریں۔
تینتیسواں باب: چند اہم شخصیات کا حادثہ وفات اور مختصراً ان کے حالات اور کارنامے۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کا سایہ تادیر قائم رکھے، اور اس کتاب سے ہم سب کو اور قارئین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

نام کتاب: تذکرہ وسوانح الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
مؤلف: مولانا عبدالقیوم حقانی
صفحات: ۵۸۱/ قیمت: درج نہیں
ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد، نوشہرہ، پاکستان

یہ کتاب علمی دنیا کے ایک مشہور ومعروف عالم دین، قلمی دنیا کے زبردست قلم کار ادیب، سوانح نگار، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی کی زبردست علمی پیشکش ہے، جو عالم ربانی، امام زمانہ، رئیس العلماء، برصغیر ہندوپاک میں علم دین کی نشأۃ ثانیہ کے بانی، امام کبیر، مجاہد عظیم، مناظر وقت، مجدد دین، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی سوانح حیات ہے، جو مصنف محترم نے جدید اسلوب میں، زمانہ کے ذوق کے مطابق تحریر فرمائی ہے اور ۲۱/ابواب پر مشتمل ہے، حضرت نانوتوی سے علمی دنیا کا کون فرد واقف نہ ہوگا، آپ کی زندگی کے تابندہ نقوش جہاں جہاں بھی دیوبند کا فیض پہنچا ہے، موجود ہیں، مصنف علام نے ان نقوش کو اس کتاب میں سمیٹنے کی خوبصورت کوشش کی ہے، اور حضرت نانوتوی کے علمی مآثر امتیازات وکمالات، دلچسپ حالات، اخلاق وصفات، حیرت انگیز واقعات اور سیرت وسوانح کا جامع مرقع پیش کیا ہے، جو جدید اسلوب اور نئے طرز تالیف میں ایک جامع، مفصل ایمان افروز داستان حیات اور ایک عظیم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب کا قلم لکھتا ہی نہیں بلکہ صفحہ قرطاس پر موتی بکھیرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو قلم کی جولانی، سلالت، اسلوب کی ندرت، طرز تحریر کی جدت اور پیش کرنے کا اچھا سلیقہ اور تصنیف وتالیف کا بہترین ملکہ عطا فرمایا ہے، جب وہ کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، تو اس کا حق ادا کردیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان سے زیادہ سے زیادہ علمی تحقیقی ادبی فکری اور اصلاحی کام لے لے، کتاب کے ابواب کی تفصیل اس طرح ہے:

پہلا باب: خاندان، والدین، پیدائش، جائے پیدائش، عہد طفولیت، کسب علم، حصول فیض اور تعلیم وتربیت۔
دوسرا باب: زمانہ طالب علمی، تعلیمی سرگرمیاں، ذہانت وظرافت اور طالب علمانہ شوخیاں۔
تیسرا باب: اساتذہ کرام کا تذکرہ۔
چوتھا باب: والدین کی خدمت واطاعت، حقوق العباد کی ادائیگی، سنت نکاح، ازدواجی زندگی کی جھلکیاں، اہلیہ کی اطاعت اور اولاد کی تربیت۔
پانچواں باب: جہاد اور اسفار حج۔
چھٹا باب: دارالعلوم دیوبند کا قیام، پس منظر اور ترقی واستحکام، فکرامت، بے چینی واضطراب اور اتحاد کی دعوت عام۔
ساتواں باب: آغاز اور تدریسی انداز، مکنون علوم وفنون، علمی فتوحات، درسی خطبات اور جامعیت وکمالات۔
آٹھواں باب: تبحر علمی، عظمت شان اور عالمانہ مقام۔
نواں باب: فقہ وافتاء میں حزم واحتیاط، تقویٰ وخشیت اور توکل واستقامت۔
دسواں باب: محدثانہ جلالت قدر اور فقیہانہ عظمت مقام۔
گیارہواں باب: فرق باطلہ کا تعاقب، اختلافی مسائل میں اعتدال اور حزم واحتیاط۔

بارہواں باب: عقد بیوگان کا مسئلہ اور خواتین میں عقد ثانی کی تحریک۔
تیراہواں باب: اخلاص وللّٰہیت، بے نفسی وتواضع اور فنائیت، مہمان نوازی، حسن اخلاق اور سیرت وکردار کے اجلے نقوش۔
چودہواں باب: تصوف وسلوک، بیع وارشاد اور روحانی کمالات۔
پندرہواں باب: زہد وقناعت، استغناء وبے نیازی۔
سولہواں باب: منامی بشارتیں اور کرامات، روحانی تصرفات اور حیرت انگیز واقعات۔
سترہواں باب: عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اتباع سنت، عاشقانہ ادائیں اور اخلاق نبوی سے مشابہت۔
اٹھارہواں باب: ذوق شعر وادب، شوق تحریر ومطالعہ۔
انیسواں باب: علمی مآثر اور تصنیفات تعارف اور مختصر علمی جائزہ۔
بیسواں باب: آخری سفر حج اور سفر آخرت، بیت اللہ سے اللہ کی طرف۔
اکیسواں با: آئینہ، الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی۔

نام کتاب: غیر مقلدین اسباب وتدارک
مؤلف: مولانا عبداللہ معروفی
صفحات: ۱۲۰/ قیمت: درج نہیں
ناشر: مکتبہ دارالعلوم دیوبند

پیش نظر کتاب دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے ممتاز استاد مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی کی ایک اہم شاہکار کتاب ہے، اس وقت عالمی سطح پر غیر مقلدیت یا نام نہاد سلفیت کا فتنہ جو تیزی سے ابھر رہا ہے، جس نے خاص طور سے ہند وبیرون ہند کے ساتھ عالم عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور حدیث پر عمل کے خوبصورت عنوان سے سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے، اس سلسلہ میں موصوف مصنف نے اچھا خاصہ مواد قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور بہت سی غلط فہمیاں جو عام کی جارہی ہیں اور اچھے خاصے، پڑھے لکھے لوگ بھی اس فتنہ کے شکار ہو رہے ہیں، ان کے لئے اس کتاب میں درس ہے، کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، امید ہے کہ قارئین اس کو حاصل کر کے فائدہ اٹھائیں گے، اور جو غلط فہمیاں غیر مقلدین کی طرف سے عام کی جارہی ہے، ان کا ازالہ ہوگا اور ایک صحیح راہ قارئین کو ملے گی۔
یہ کتاب دیوبند کے مشاورتی اجلاس منعقدہ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ کے موقع پر دارالعلوم کی طرف سے شائع کی گئی، اس کی سند کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اللہ تعالی مؤلف موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور جس مقصد کے لئے تحریر کی گئی ہے، اس میں کامیابی عطا فرمائے، اور گم گشتہ راہوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

نام کتاب: پردہ اٹھادوں اگر چہرہ الفاظ سے............
مؤلف: ڈاکٹر ف عبدالرحیم
صفحات: ۱۳۴/ قیمت: ۵۰/روپے
ناشر: ف احمد اقبال E.K.A ۷ گرواسٹریٹ پیرامیٹ، چنئی

پیش نظر کتاب ڈاکٹر ف عبدالرحیم صاحب ڈائریکٹر ٹرانسلیشن سینٹر کنگ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ کی ایک دلچسپ کتاب ہے، جو بقول مصنف اگر چہ نہ لغت ہے نہ علم لغت پر کوئی عالمانہ مقالہ، مگر اس میں مصنف نے چند الفاظ کا تاریخی مطالعہ تحریر کیا ہے، جو واقعی دلچسپ ہے۔
دراصل الفاظ صرف مجموعہ اصوات ومحل معانی ہی نہیں، بلکہ ان کے اندر قوموں کی تاریخ پنہاں ہوتی ہے، یہ ان کے رسم ورواج، ان کے عقائد اور ان کے تخیلات کے آئینہ دار ہوتے ہیں، جس طرح آثار قدیمہ کے ماہرین ہڈیوں، برتن کے ٹکڑوں وغیرہ سے تاریخ کے ٹوٹے ہوئے حلقوں کو جوڑ لیتے ہیں، اسی طرح علمائے لغت الفاظ کے مطالعہ کی مدد سے تاریخ کے جھروکوں میں جھانک کر ماضی کے بعض تاریک گوشوں پر روشنی ڈالنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔
لفظ ''وارنش'' کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ماضی بعید میں لیبیا کے قدیم شہر ''برنیقی'' میں اس کی ابتداء ہوئی، اسی شہر کے نام نے لاطینی میں Veronix کو جنم دیا جو بعد میں چل کر Varinsh بنا۔
اسی طرح لفظ Copper سے پتہ چلتا ہے کہ تانبے کا اصلی وطن قبرص (Cypress) ہے، وغیرہ وغیرہ۔
اس طرح کی تحقیق اس کتاب میں ہے، جو قاری کی دلچسپی کا ذریعہ اور معلومات کا اہم ذخیرہ ہے، کتاب واقعی معلومات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے، امید ہے کہ قارئین کتاب کو حاصل کریں گے اور فائدہ اٹھائیں گے۔